آدبیات ایران نو

Enayatullah Khan.

7-9-'39

ادبیات ایران نو
(محمد طاہر فاروقی)

محمد طاہر فاروقی

ادبیات ایران نو

مؤلفہ

مولوی محمد طاہر فاروقی

ایم اے (آگرہ) دبیر کامل (لکھنؤ) منشی کامل ۔ عالم فاضل (الہ آباد)

ایچ۔ پی۔ اے۔ آنرز ان اردو (پنجاب)

صدر شعبہ فارسی و اردو آگرہ کالج ۔ ممبر بورڈ آف اسٹڈیز عربی فارسی و اردو

و فیکلٹی آف آرٹس آگرہ یونیورسٹی

قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور نے شائع کیا

خواجہ فراست حسین منیجر کے اہتمام سے
آگرہ اخبار پریس آگرہ میں
طبع ہوئی
مارچ ۱۹۳۶ء

فهرست

فهرست

نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب

Naserum-Minal-Lahe-wa-Fat-Hun Qareeb.

مقدمہ

دورِ قاچاریہ

(۱۷۹۶ء سے ۱۹۰۶ء تک)

آقا میرزا محمد خاں قزوینی لکھتے ہیں:-

"بے شبہ فارسی ادب و شاعری دورِ صفویہ میں انتہائی پستی میں جا پڑی تھی اور اس عہد میں کسی ایک شاعر کا بھی نام نہیں لیا جا سکتا جو صفِ اول کے شعرا میں شمار کیا جا سکے۔"

اس کمی کو دورِ قاچاریہ نے پورا کر دیا۔ اور فارسی شاعری کی کھوئی ہوئی عزت و شہرت کو دوبارہ حاصل کرنے کا سہرا انیسویں صدی کے شعرا کے سر رہا ہے۔ مولانا شبلی شعر العجم جلد سوم میں تحریر فرماتے ہیں:-

"ایران کی شاعری رودکی سے شروع ہوئی اور میرزا صائب پر ختم ہوگئی۔ رودکی سے پہلے بھی شعرا گزرے ہیں اور میرزا صائب کے بعد بھی لوگوں نے طبع آزمائیاں کیں۔ لیکن یہ دونوں دور شمار کے قابل نہیں۔ اخیر دور میں قاآنی بے شبہ ایسا شخص پیدا ہوا جس نے دفعۃً شاعری کی کایا پلٹ کر دی۔ لیکن اس کی شاعری کوئی نئی شاعری نہیں۔ بلکہ اس نے سات سو برس کے بھولے ہوئے خواب کو یاد دلایا۔ اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ فرخی اور منوچہری نے قاآنی کا قالب اختیار کر لیا۔"

یہی رائے رضا قلی خاں ہدایت نے مجمع الفصحا میں ظاہر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:-

"فارسی شاعری کا انحطاط دور قاچاریہ سے قبل مکمل ہو چکا تھا۔ اس لئے اس عہد کے شعرا نے اپنے پیش رو شاعروں کے مسلک کو چھوڑ کر رودکی۔ منوچہری فردوسی۔ انوری۔ رومی۔ سعدی وغیرہ کی تقلید اختیار کی۔"

رضا قلی خاں کے عہد میں جامی۔ عرفی۔ صائب۔ شوکت وغیرہ کی شاعری کو بے وقت کی شہنائی کی مانند بے کیف سمجھا جاتا تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ اس عصر کے سخنوروں نے متقدمین کی روش کو پسند کیا۔ اور اس طرح فارسی شاعری کی تجدید کا فرض انجام دیا۔

ستر سالہ خانہ جنگیوں کے بعد آقا محمد خاں قاچار سنہ ۱۷۷۹ء میں برسر اقتدار آیا سنہ ۱۷۹۶ء میں اس نے شاہ کا لقب اختیار کرکے خاندان قاچاریہ کی بنیاد ڈالی۔ اور تمام ایران کو ایک مرکز پر لا کر جمع کر دیا۔ سنہ ۱۷۹۶ء میں آقا محمد [illegible]

اور اس کا بھتیجہ فتح علی شاہ قاچار تخت پر بیٹھا۔ اس حکمراں کی یہ حیثیت کہ اس کی ۱۵۰ بیویاں اور تقریباً دو ہزار بیٹے پوتے تھے تاریخ میں عدیم المثال ہے۔ اس کے بعد ۱۸۳۵ء میں اس کا پوتا محمد شاہ قاچار تخت نشین ہوا۔ اسی کے عہد میں سید علی محمد باب نے بابی مذہب کی تبلیغ و اشاعت شروع کی۔ اس کے انتقال کے بعد ناصر الدین شاہ قاچار نے ۱۸۴۸ء سے ۱۸۹۶ء تک حکومت کی اس کے قتل کے بعد ۱۸۹۶ء سے ۱۹۰۶ء تک اس کا بیٹا مظفر الدین شاہ قاچار برسر حکومت رہا ۱۹۰۶ء میں قوم پرستوں نے اسے تخت سے اتار دیا اور ایران میں جمہوریت قائم ہو گئی۔

خاندان قاچار میں فتح علی شاہ خود شاعر تھا۔ اس کے پرامن دور اور سخن پروری نے شاعری کی تجدید کی اور سرزمین ایران ایک بار پھر شعرا کی نغموں سے گونج اٹھی۔ انیسویں صدی میں سینکڑوں شاعر پیدا ہوئے جن میں سے چند ممتاز اور نامور شعرا حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مجتہد الشعرا مجمر طباطبائی اردستانی (متوفی ۱۸۱۰ء)۔ اس کی بابت رضا قلی خاں ہدایت کی رائے ہے کہ اگر وہ کچھ سال اور زندہ رہتا تو غالباً وہ ممتاز ترین حیثیت حاصل کر لیتا۔ اور مرزا یحیی دولت آبادی اس کو شعرا کی صف اول میں جگہ دیتا ہے۔

۲۔ ملک الشعرا صبا کاشانی (متوفی ۱۸۲۲ء) اس کے متعلق رضا قلی خاں ہدایت کا خیال ہے کہ "گزشتہ سات سو سال میں اس پایہ کا کوئی شاعر ایران میں پیدا نہیں ہوا" اس کے شاہنشاہ نامہ کو بعض ناقدین نے شاہنامہ فردوسی تک پر ترجیح دی ہے۔

۳۔ معتمد الدولہ نشاط اصفہانی (متوفی ۱۸۲۸ء) عربی۔ فارسی۔ ترکی بلکہ

زبانوں کا عالم تھا۔ اور اس عہد کے بہترین غزل گو شعرا میں شامل ہے۔

۴۔ میرزا شفیع وصال شیرازی (متوفی ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء) جس کا تمام خاندان شاعری میں نمایاں اعتبار رکھتا تھا۔ اس کے بھائی بیٹے داوری، یزدانی، اور ہمت۔ اور بیٹے وقار، حکیم، اور فرہنگ سب اچھے شاعر گزرے ہیں۔

۵۔ ملک الشعرا حسان العجم قاآنی شیرازی (متوفی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء) جو بالاتفاق رائے اس عہد کا بہترین قصیدہ گو شاعر ہے۔ اور تمام پیش رو شعرا کے محاسن وکمالات کا جامع ہے۔

۶۔ مرزا فروغی بسطامی (متوفی ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء) جو غالباً اس عہد کا بہترین غزل گو صوفی شاعر ہے

۷۔ مرزا یغمائے جندقی بیک وقت سنجیدہ اور مبتذل گو شاعر تھا۔ لیکن اس کے ہزلیات اور خرافات زیادہ مشہور ہیں۔ اور خود بھی "زن قحبہ" کے عجیب لقب سے معروف ہے۔ اس نے مرثیہ کی ایک نئی صنف کو زیادہ رواج دیا تھا۔ جسے وہ خود "نوحہ سینہ زنی" کے نام سے یاد کرتا ہے۔

۸ و ۹ مرزا رضا قلی خاں ہدایت اور لسان الملک سپہر کاشانی عہد ناصر الدین شاہ کے باکمال شاعر تھے لیکن دونوں بحیثیت مورخ اور تذکرہ نگار کے زیادہ مشہور ہیں۔

انیسویں صدی کے ان شعرا کا کلام دور متوسطین سے نمایاں طور پر ممتاز ہے۔ پیچیدہ خیالات، دور افتادہ تشبیہات و استعارات، بیکار لفاظی، پیچ پیچ تصنع و تکلف، بعید از عقل مضامین، دور از کار تخیل اور بیجا آورد سے اس

عہد میں اجتناب و احتراز کیا گیا۔ زبان میں سلاست اور روانی ہے۔ مضامین میں شگفتگی اور واقعیت ہے۔ طرز ادا میں دلکشی اور بلاغت ہے۔ آمد ہے جذبات میں تشبیہات قرین عقل اور استعارات مطابق قیاس ہیں۔ کردار نگاری اور جزئیات کے بیان میں استقصا و استیفا ہے۔ اور تخییل و محاکات کی بلندی و برتری بہمہ وجوہ قابل تحسین اور لائق ستائش ہے۔ اس عہد کے شعراء نے موجودہ صدی کی شاعری کے لئے زبان اور خیالات کو تیار کرنے میں کافی حد تک مدد کی۔ درحقیقت اس دور کے اختتام پر عہد جدید کی شاعری کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

دورِ جدید

(سنہ ۱۹۰۶ء سے)

فارسی شاعری نے نویں صدی عیسوی سے انیسویں صدی عیسوی تک ایک ہزار سال کے عرصہ میں قصیدہ، غزل، مثنوی، رباعی کی شکلوں میں حسن و عشق، مدح و ہجا، معارف و مناظر، سنجیدگی و ظرافت، بزم و رزم، تصوف و اخلاق، رندی و زہد اور واردات و کیفیات کے تمام مطالب بہترین اسلوب کے ساتھ دنیا کے ادب میں پیش کر دئیے تھے۔ قومی، ملکی اور اصلاحی نظموں کا باب رہ گیا تھا۔ اسے بیسویں صدی کی ابتدا میں دورِ انقلاب و مشروطیت نے پورا کر دیا اور اب فارسی شاعری بہمہ وجوہ مکمل ہو گئی۔

ایران میں ہمیشہ سے استبدادی اور شخصی حکومت کا دور دورہ رہا تھا۔

لیکن انیسویں صدی کے نصف آخر میں علامہ سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ (سنہ ۱۸۳۸ء تا سنہ ۱۸۹۷ء) کی اسلامی انقلابی تحریک کے زیر اثر بیداری کے آثار پیدا ہوتے جا رہے تھے۔ ایران میں پہلا انقلاب "دور مشروطہ اولیٰ" کی شکل میں ۵ اگست سنہ ۱۹۰۶ء کو ظاہر ہوا۔ اور ۷ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء کو نیشنل اسمبلی قائم ہوئی۔ جو ۲۳ جون سنہ ۱۹۰۸ء تک برسر کار رہی۔ اس کے بعد ۲۳ جون سنہ ۱۹۰۸ء سے ۱۶ جولائی سنہ ۱۹۰۹ء تک پھر محمد علی شاہ معزول کا استبدادانہ عہد جاری رہا۔ "مشروطہ ثانیہ" کا عمل دخل ایران میں ۱۶ جولائی سنہ ۱۹۰۹ء کو ہوا۔ محمد علی شاہ قاچار چار دن کی جنگ کے بعد مفرور ہو گیا۔ اور مشروطیین کو "فتح ملی" نصیب ہو گئی۔ لیکن ابھی ایرانیوں کی قسمت میں مستقل آزادی نہ تھی۔ اس لیے سنہ ۱۹۱۲ء کی ابتدا کے ساتھ ساتھ روسیوں کے غلبہ و تسلط کا دور شروع ہوا۔ اور تمام مملکت ایران میں ایک ہیجان و غدر برپا ہو گیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۱۴ء میں یورپ کی جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ ان چار سال میں ایران مختلف طاقتوں کا آماجگاہ بنا رہا۔ ہر سلطنت اسے ہڑپ کر لینا چاہتی تھی۔ اس زمانہ کے مصائب نے ایرانیوں کے دماغوں میں چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کی خون آشامیوں کی یاد تازہ کر دی۔ جنگ عظیم کی خاتمہ کے ساتھ روس کی شخصی و استبدادی حکومت بھی ختم ہو گئی۔ اور کچھ عرصہ بعد انگلستان نے بھی مجبور ہو کر ایران سے ہاتھ اٹھا لیا۔ درحقیقت اب ایران کو اس قدر سکون نصیب ہوا کہ وہ یکجہتی و اتفاق کے ساتھ اندرون ملک کی اصلاح کر سکے۔ ایک مدت تک شورش و بے اطمینانی کی زندگی بسر کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی کے عہد نے ملک کو [illegible] امن و راحت

کے ساتھ اندرونی و بیرونی اصلاحات میں مشغول ہو۔

وہ اسباب جو بیسویں صدی کے اوائل میں ایرانی انقلاب کے ذمہ دار ہیں تین قسموں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ (۱) تصنیفات۔ (۲) اخبارات۔ (۳) منظومات۔

۱۔ مصنفات اس شق میں وہ تمام کتابیں آجاتی ہیں جو انیسویں صدی کے آخر زمانہ سے شایع ہو رہی تھیں اور جو کم و بیش اصلاح ملک اور آزادی خیال کی تحریک کو اکساتی تھیں۔ ان میں سب سے مقدم جگہ ناظم الدولہ شہزادہ مالکم خاں کی تصنیفات کو حاصل ہے۔ مالکم خاں کے رسائل کی تعداد تیس سے زائد ہے۔ چند نام۔ اصول مذہب۔ دیوانیان۔ حب الوطن من الایمان۔ مبدء ترقی۔ شیخ و وزیر وغیرہ یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اس کے بعد نمبر آتا ہے ان تصنیفات یا تراجم کا جو دار الفنون طہران کے ایرانی یا مغربی پروفیسروں نے کئے۔ ان تالیفات نے جو سائنس۔ ریاضی۔ طب۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ ادب وغیرہ تمام علوم پر حاوی ہیں۔ ایرانی دماغوں کو بیدار کرنے میں بڑی حد تک امداد کی۔ اسی سلسلہ میں مرزا یوسف خاں مستشار الدولہ۔ اور مرزا عبدالرحیم طالباف کی تصنیفات کا یاد رکھنا بھی ضروری ہے۔ خصوصاً طالباف کی یہ دو کتابیں کتاب احمد اور سفینۂ طالبی۔ تو اسی قدر بااثر اور وقیع ثابت ہوئیں جتنا سیاحت نامۂ ابراہیم بیگ مصنفہ حاجی زین العابدین آقا مراغی اور سر جان موریر کی کتاب حاجی بابا اصفہانی کے تراجم جو مرزا حبیب اصفہانی اور شیخ احمد روحی کرمانی نے شایع کئے تھے۔

۲۔ اخبارات ایران میں تحریک مشروطیت سے قبل کوئی اخبار ایسا شایع ہوتا تھا جو سیاسی اعتبار سے قابل اعتنا کہا

جا سکے۔ اگست ۱۹۰۶ء میں جمہوریت کے اعلان کے ساتھ ہی متعدد اخبارات جاری ہو گئے جن میں سے بعض ابتداءً ہفتہ وار تھے لیکن کچھ دن بعد، روزانہ شایع ہونے لگے تھے۔ ان میں طہران سے شایع ہونے والے اخبارات، مجلس۔ ندائے وطن۔ صور اسرافیل حبل المتین۔ صبح صادق اور ایران نو بالخصوص قابل ذکر ہیں اسی سلسلہ میں طلوع (بوشہر) اور آذربائیجان (تبریز) کا نام لینا بھی ضروری ہے۔ یہ دونوں اخبار پنچ کے انداز ظرافت و طنز کا پہلو لئے ہوئے اپنے مقاصد کی اشاعت کرتے تھے۔ مزاحیہ و طنزیہ اخبارات کی مقبولیت نے اس صنف کے بہت سے اخبار شایع کرائے جن میں کشکول (اصفہان)، بہلول (طہران)، تنبیہ (طہران)، حشرات الارض (تبریز)، شیدا (قسطنطنیہ) اور شیخ چغندر (طہران) خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ اصلاحی امور میں مضحکات و طنزیات کو کامیاب اور موثر پاکر صور اسرافیل نے بھی چرند پرند کے نام سے چند کالم اس صنف کے لئے وقف کر دیے۔ جن کے محرر خصوصی میرزا اکبر خاں (المعروف بہ دخو و دہخدا) تھے۔ چرند پرند اور ملا ناصر الدین اس قسم کے تمام اخبارات سے زیادہ مقبول، موثر اور مفید ثابت ہوئے۔

ایران میں اخبارات کو آزادیٔ رائے حاصل ہونے سے قبل بعض وطن پرست ایرانیوں نے ممالک غیر سے اخبارات شایع کرنے شروع کر دیے تھے۔ ان میں سب سے پہلی جگہ قانون کو ملتی ہے جو پرنس مالکم خاں کی زیر ادارت لندن سے شایع ہوتا تھا۔ اس کے بعد اختر (قسطنطنیہ) حبل المتین (کلکتہ)، ثریا اور پرورش (قاہرہ) کا نام آتا ہے۔ دورِ مشروطہ سے قبل دراصل یہی رسائل و اخبارات تھے جنہوں نے ملک میں آزاد خیالی۔ احساس و غیرت۔ حمیت و قومیت۔ اور حب وطن کی جذبات

کی تخم پاشی کی۔ یہ رسائل صرف ملکی بیداری پیدا کرنے کے ہی آلے نہ تھے بلکہ انہوں نے زبان و ادب کی بے بہا خدمات بھی انجام دی ہیں۔ ان اخبارات کے ذریعہ سے ہی نئی اصطلاحات اور جدید الفاظ ملک میں شایع ہوئے اور رفتہ رفتہ فارسی جدید مالا مال ہوتی رہی۔

ایسے اخبارات کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے جو مذکورہ بالا اخباروں کے بعد شایع ہوئے۔ ملک بھر میں آگ لگی ہوئی تھی اس لئے اکثر شہروں میں اخبار جاری ہو گئے۔ طوالت کے خوف سے اس تفصیل سے گریز کرنا بہتر ہے۔ اس لئے اس بات پر اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ کہ طہران سے شایع ہونے والے اخبارات میں استقلال ایران۔ برق۔ بیداری۔ دانش۔ آفتاب۔ روح القدس۔ زشت و زیبا۔ شفق۔ شرافت اور مساوات۔ تبریز کے اخبارات میں اتحاد۔ اخوت۔ استقلال۔ امید۔ تبریز اور روزنامہ ملی۔ اصفہان سے اشاعت پانے والے اخباروں میں پروانہ۔ جہاد اکبر۔ زائندہ رود۔ فرہنگ اور ناقور۔ مشہد کے اخبارات میں تازہ بہار۔ خراسان۔ خورشید۔ بہار۔ نوبہار اور عصر جدید۔ شیراز سے جاری ہونے والے اخباروں میں نسیم شمال۔ گیلان سے صدائے رشت۔ کنگاش۔ نوع بشر۔ اور مجاہد خاص طور پر قابل اعتنا اور لائق ذکر ہیں۔ جنہوں نے اس دور میں مخصوص ملکی و ملی۔ ادبی و لسانی خدمات انجام دیں۔

۳۔ منظومات

کسی ملک کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کا بہترین ذریعہ قومی اور ملکی نظمیں ہوا کرتی ہیں۔ عرب کی قومی

شاعری اور رجز خوانی اور یونان اور روما کی ملکی و ملی منظومات اس کی بین مثالیں ہیں۔
اسی طرح بیسویں صدی کے آغاز میں ایرانی شعراء نے ملک و قوم کے احساسات و جذبات ملی کے ابھارنے اور جمود و غفلت کے دور کرنے میں جو کارنمایاں انجام دیا وہ تاریخ عالم میں زریں حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ موجودہ صدی کے ابتدائی پندرہ سال میں سیاسیات کا جو طوفان ایران میں برپا تھا اس نے حساس دلوں پر تیر و نشتر کا کام کیا۔ اور شعرا جو دول و ملل کی تعمیر و اصلاح کے علم بردار ہوتے ہیں اس انتشار و شورش سے بیحد متاثر ہوئے۔ چنانچہ ملکی و ملی منظومات جو تاثرات قلبی سے لبریز اور جذبۂ بیداری و احساس آزادی کی محرک ہیں بکثرت ملک میں شایع ہو گئیں۔ اگر ان نظموں کا مطالعہ تصنیف کی تاریخوں کے اعتبار سے کیا جانا ممکن ہو تو امید و بیم، آس و یاس، شکوہ و شکایت، سوز و گداز، رنج و راحت، جوش و خروش، مایوسی و کامرانی، اضطراب و خوشدلی کے جذبات و کیفیات کے ان مختلف مدارج کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اس دور میں ملک و ملت پر گزر رہے تھے اور جن کی یہ نظمیں آئینہ دار ہیں۔

یہ نظمیں اخبارات و رسایل میں شایع ہونے کے باعث فوراً ملک میں پھیل جاتی تھیں۔ اور قوم کے جذبات میں آگ لگا دیتی تھیں۔ نسیم شمال۔ گیلان۔ کشکول۔ صدای رشت۔ بہار۔ صور اسرافیل اور ایران نو وغیرہ بالخصوص ان نظموں کو شایع کرتے تھے یہ زیادہ تر ملکی مسائل اور سوانح سے متعلق ہوتی تھیں۔ لیکن آج بھی اپنے جوش اور ادبیت کے اعتبار سے دلچسپ اور وقیع ہیں۔ فن کے اعتبار سے یہ کسی خاص صنف نظم میں محدود نہ تھیں۔ مثنوی، قطعہ، مسمط، مستزاد، غزل

سب اصناف ان قومی خیالات سے مالا مال نظر آتے ہیں۔ دراصل یہی منظومات ایران کی نشاۃ جدیدہ اور حیات سیاسی و ادبی کی ذمہ دار ہیں۔ اور اسی لئے سے ایران میں جدید ادبی عہد کی بنیاد پڑتی ہے۔

اس انقلابی اسکول کی شاعری میں جو شعرا پیش پیش نظر آتے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔ ملک الشعرا بہار۔ سید اشرف رشتی۔ عارف قزوینی۔ فصیح الملک شوریدہ۔ بدیع الزماں شیرازی۔ جعفر خمنائی۔ میرزا مرتضیٰ فرہنگ۔ ادیب نیشاپوری حسین خاں دانش۔ احمد سہیلی تبریزی۔ حسام الاسلام دانش۔ پور داؤد۔ ملک ساسانی۔

ایران میں استقلال آزادی اور تنظیم ملکی کو معدودے چند سال گزرے ہیں۔ لیکن اس قلیل عرصہ میں ملک نے سیاست و مدنیت۔ معارف و قومیت فنون لطیفہ اور علوم ادبیہ میں جس قدر ترقی کی ہے وہ بے شبہ حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔ شاعری بھی اس ترقی کی دوڑ میں دیگر علوم و فنون کے ہمراہ آگے بڑھتی رہی۔ اور منجملہ دیگر اصناف شعر کے موجودہ صدی نے قومی، ملکی اور اصلاحی منظومات کے ایک کافی و وافی فصیح و بلیغ اور موقر و ممتاز ذخیرہ کا ادب فارسی میں اضافہ کر دیا۔

دورِ جدید کی شاعری عصر حاضر کے شعرا دو قسموں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ وہ شعرا جو متقدمین کے اور ان میں بھی بالخصوص منوچہری۔ فردوسی۔ سعدی اور حافظ کے مقلد ہیں۔ عروض و قافیہ میں قدیم قواعد کے پابند ہیں۔

مضمون کے اعتبار سے ان کی شاعری حسن و عشق سے تجاوز کر کے فلسفہ و اخلاق۔ اور قومیت و سیاست پر بھی شامل ہے۔ اس زمرہ میں ادیب پیشاوری۔ ادیب نیشاپوری۔ سالار شیرازی۔ شوریدہ شیرازی۔ شہاب کرمانشاہی۔ رعدی آذرخشی۔ غمام ہمدانی۔ فروغی اصفہانی۔ بدیع الزمان خراسانی اور نادری مشہدی وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ وہ شعرا جو کبھی قدیم اصول عروض و قافیہ کی پابندی کرتے ہیں اور کبھی مغربی تعلیم سے متاثر ہونے کے باعث جدید بحریں اور قافیوں کے نئے اصول بھی پیدا کرتے ہیں۔ ان کے اشعار کا موضوع زیادہ تر قومیت، سیاست ملکی بیداری اور سوسائٹی کی اصلاح ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں اسی جماعت کی کثرت اور انہی کو مقبولیت حاصل ہے۔ شہزادہ ایرج میرزا۔ ملک الشعرا بہار۔ عارف قزوینی۔ پور داؤد۔ حبیب یغمائی۔ فرخی یزدی۔ کمالی اصفہانی۔ دہخدا۔ اشرف رشتی۔ حسام زادہ پازارگاد۔ فرہنگ طہرانی۔ رضازادہ شفق۔ محمود خاں افشار۔ اور سعادت نوری وغیرہ اسی طبقہ میں ہیں۔

گزشتہ فارسی شاعری کے مباحث و موضوعات کو ذیل کے سات عنوانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ عشقیہ۔ مدح و ہجا۔ تصوف۔ فلسفہ۔ اخلاق۔ رزمیہ اور مراثی۔ موجودہ شاعری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عصر میں عشقیہ اور فلسفیانہ مضامین کافی پائے جاتے ہیں۔ مدحیہ کم ہے مگر جس قدر ہے اس میں اگلوں کا سا لغو اور ناپسندیدہ غلو نہیں ہے۔ صوفیانہ شاعری بہت کم ہے۔ اخلاق میں قومیت، حب وطن، عزت نفس، آزادی، صبر و ضبط

عزم و ثبات، ایثار و قربانی۔ اور غیرت و حمیت وغیرہ کے مباحث پر ازمنۂ ماقبل کی نسبت
بہت زیادہ کہا گیا ہے۔ رزمیہ شاعری بالکل مفقود ہے۔ مرثیہ موجود ہے۔ اور ہجائیہ
اور طنزیہ نظمیں بکثرت ہیں۔

موجودہ دور کی فارسی شاعری سلیس و سادہ، شگفتہ و شیریں، رنگین و مترنم، ولولہ انگیز
اور جذبات آفریں ہے۔ ردیف و قافیہ کی شگفتگی، بحر و وزن کی موسیقیت، مضامین
کی شیرینی و لطافت اور نزاکت و معنویت ہر جگہ سادگی و سلاست کے پہلو بہ پہلو نظر
آتی ہیں۔ اس عہد کی نظموں بلکہ غزلوں تک میں عشقیہ ملکی و ملی جذبات، ولولہ انگیز طرز ادا
واردات و کیفیات اور جدید الفاظ و محاورات خاص طور پر قابل غور ہیں۔ عام طور پر
طرز ادا آسان، تخیل سادہ، محاکات واقعی اور جذبات فطری ہیں۔ نہ باریک بینی ہے نہ
خیال آفرینی۔ نہ موشگافی ہے نہ بلند پروازی۔ دل کی نمائش ہے دماغ کی نہیں۔
فطرت صنعت پر، آمد آورد پر اور بے تکلفی تکلف پر غالب نظر آتی ہے۔

زیر نظر انتخاب میں دور حال کے بیس شعرا کی منتخب نظمیں یا غزلیں پیش کی جاتی ہیں
یہ سب سخنور اس عہد کی ادبیات کے صحیح نمائندہ اور ملک کے ممتاز و نامور سخن سنجوں
میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اور منتخب کلام ان حضرات کے بہترین اشعار سے منتخب کیا گیا
ہے۔ انتخاب کے وقت اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ وہ مذکورہ بالا تمام خصوصیات
شعر پر حاوی و مشتمل ہو تاکہ دور جدید کی شاعری پر مفصل نظر ڈالی جا سکے۔ ہجائیہ کلام
کو دانستہ خارج کر دیا گیا ہے اس لیے کہ وہ مقامی اور کم طلب ہونے کی وجہ سے
عام طور پر زیادہ دلچسپی کا موجب نہیں ہوتا۔
انتخاب میں جن شعرا کا کلام جمع کیا گیا ہے ان کے مختصر حالات ناظرین کی مزید

دلچسپی کے لئے درج کئے جاتے ہیں

۱۔ بہار خراسانی

مرزا محمد تقی نام اور بہار تخلص ہے۔ مرزا محمد کاظم ملک الشعرا صبوری کے بیٹے ہیں۔

۱۳۰۴ھ میں مشہد میں پیدا ہوئے۔ مشہد ہی میں اپنے والد اور دیگر فضلائے عصر سے عربی فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۲۲ھ میں والد کے انتقال کے بعد ادیب نیشاپوری اور میرزا عبدالرحمان ... کے سامنے زانوے ادب تہ کیا۔ پھر آصف الدولہ غلام رضا خاں گورنر خراسان کے دربار میں باریابی حاصل کی۔ آصف الدولہ کی سفارش پر مظفر الدین شاہ قاچار نے "ملک الشعرا" کا خطاب مرحمت کیا اور سالانہ وظیفہ مقرر کر کے مزید سرفرازی فرمائی۔

۱۳۲۴ھ میں تحریک مشروطیت کے آغاز سے ہی اس تحریک میں شریک ہو گئے اور ۱۳۲۶ھ تک عملی اور قلمی شرکت کرتے رہے۔ حبل المتین (کلکتہ) میں اور خراسان کے اخبارات میں ان کے مضامین اور نظمیں کبھی اپنے نام سے اور کبھی فرضی ناموں سے شائع ہوا کرتی تھیں۔ نظموں کی اشاعت نے بہار کو ایک عجیب مقبولیت و ہر دلعزیزی بخشا دی۔ ۱۳۳۱ھ میں آپ نے مشہد سے "نوبہار" نامی روزنامہ جاری کیا۔ ان قومی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے آپ کو بہت جانی و مالی مشکلات بھی برداشت کرنی پڑیں۔ دو بار وطن بدر کئے گئے۔ دو دفعہ اخبار بند کر دیا گیا۔ لیکن آپ استقلال کے ساتھ تمام مصائب برداشت کرتے رہے اور اپنی سرگرمیوں میں کوئی کمی نہ آنے دی۔

۱۳۳۴ھ میں جب قوم پرستوں نے طہران سے بغداد و قسطنطنیہ کی جانب ہجرت کی تو بہار بھی مہاجرین میں شامل تھے۔ واپسی کے بعد آپ نے

"نو بہار" کو طہران سے جاری کیا۔ کچھ عرصہ تک آپ مجلس شورائے ملی کے رکن بھی رہے۔ اس کے بعد سیاسیات سے کنارہ کش ہو کر اب تصنیف و تالیف میں مشغول رہا کرتے ہیں۔

"نو بہار" کے سوا آپ "دانشکدہ" اور "ایران" کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں سے "[illegible]" یا "[illegible] سفید" (ایک مختصر ناول) اور "تاریخ سیستان" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۴- امیری

[illegible] شاہزادہ [illegible] امیری [illegible] ۱۳۳۵ [illegible]

ان کا نام [illegible] تھا۔ شاہزادوں کے ساتھ خاص طور پر تعلیم و تربیت پائی۔ قدرت نے فراست اور جودت و ذکاوت کا جوہر ودیعت کیا تھا۔ [illegible] میں ولیعہد سلطنت مظفر الدین قاچار کے دربار میں باریابی حاصل کی۔ مظفر الدین شاہ ان کے کمالات سے اس قدر متاثر ہوا کہ تخت پر بیٹھنے کے بعد ان کو اکثر ذمہ دار عہدوں پر سرفراز کیا۔

جمہوریت کے قیام کے بعد یہ میرزا وزارت مالیہ، وزارت داخلہ اور وزارت معارف میں مختلف ممتاز عہدوں پر متعین رہے۔ اور ہر جگہ اپنی حسن خدمات، وطن دوستی اور مساعی جلیلہ کی بدولت خراج تحسین حاصل کیا۔ لیکن یہ اہم خدمات بھی آپ کی علمی و ادبی مصروفیات میں حارج نہ ہو سکیں اور شعر و سخن کا مشغلہ ان تمام زمانوں میں برابر جاری رہا۔ ۲۸ شعبان ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء) کو طہران میں حرکت قلب بند ہو جانے سے دفعتاً آپ کا انتقال ہوا۔

۲۳- فروغی اصفہانی

میرزا ابو الحسن خان نام اور فروغی تخلص ہے۔ آپ کے والد میرزا محمد حسین خان ذکاء الملک فروغی گذشتہ صدی کے نامور ادیب گزرے ہیں۔ اور آپ کے بڑے بھائی میرزا محمد علی خان ذکاء الملک فروغی اس زمانہ کی اہم ملکی و سیاسی شخصیتوں میں شامل اور وزیر خارجہ کے ممتاز عہدہ پر سرفراز ہیں۔

فروغی سنہ ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۴ء) میں طہران میں پیدا ہوئے۔ مدرسوں میں اور مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ اور فارسی، عربی، فرانسیسی تینوں زبانوں کو بحد کمال حاصل کیا۔ اس کے سوا تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ وغیرہ میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ آپ کا شمار اس قرن کے بہترین فضلا و حکما میں کیا جاتا ہے۔ طہران کے مدارس میں ایک عرصہ تک آپ مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ "دار المعلمین" طہران کے قیام پر اس کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اسی زمانہ میں آپ نے "تعلیم و تربیت" اور [illegible] رسالے جاری کیے۔ سنہ ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۶ء) میں بغرض علاج یورپ تشریف لے گئے۔ سنہ ۱۳۱۶ھ (۱۸۹۸ء) میں محکمہ معارف ایران کے نمائندہ کی حیثیت سے جشن طالسطائی میں شرکت کے لیے روس گئے۔ "مجلس مستشرقین" کے اجلاس منعقدہ سنہ ۱۳۱۶ھ (۱۸۹۹ء) میں بحیثیت دولت ایران کی طرف سے نمائندہ [illegible] گئے۔ اور یورپ کے ممتاز فضلا سے ملاقاتیں کیں۔

آپ کی تصنیفات میں سے "[illegible]"، "سرمایہ سعادت" اور "اوراق [illegible]" طبع ہو چکی ہیں۔ اور آپ کے مختلف مضامین اور نظمیں درسی کتابوں میں شامل ہیں۔ اب آپ عملی زندگی سے کنارہ کش ہو کر عزلت گزین ہیں [illegible]

ہیں بے حد خلیق و متواضع ہے۔ اور دنیوی ساز و سامان سے قطعاً بے نیاز و بے
پرواہ ہو کر امن و سکون کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

۴۔ کمالی اصفہانی

حیدر علی نام اور کمالی تخلص ہے۔ شوال ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۴ء) میں اصفہان کے ایک قصبہ ابرقوہ میں پیدا ہوئے۔ باپ نے لڑکپن ہی سے آہنگری کے پیشہ میں ڈالدیا۔ پندرہ سال کی عمر میں طہران آئے۔ چند سال بعد اصفہان واپس ہوئے مگر پھر اہل و عیال سمیت طہران آکر وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔

جوانی میں تعلیم کا شوق ہوا۔ خود ہی سواد خوانی حاصل کی۔ اور پھر مطالعہ کے ذریعہ علمی و ادبی کتابوں سے خود ہی اپنے شوق تعلم کی تشنگی دور کرتے رہے۔ مبداء فیاض سے طبیعت موزوں اور ذوق سلیم پایا تھا شاعری بھی شروع کر دی۔ اور سخنوروں میں یہ مرتبہ حاصل کیا کہ ایرج میرزا اور دہخدا جیسے مسلم استاد ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ اور ادیب الممالک فراہانی سا بلند پایہ ادیب ان کی بابت لکھتا ہے:

ابو الکمال کمالی خجستہ آنکہ کمان سخن — بہ پیکر قلمت جامہ کرد و جان سخن
اگر نہ کلک تو طرح سخن در افگندے — بر او فتادی کسان بی شکست نشان سخن

دور مشروطیت میں احرار کی جماعت میں شامل ہوئے۔ ایک روزنامہ بھی "پیکار" کے نام سے جاری کیا تھا۔ تصنیفات میں ان کے اپنے دیوان کے سوا "نظم تیر کمان خاتون" اور "منتخبات اشعار صائب" شائع ہو چکے ہیں۔

۵۔ بدیع الزمان خراسانی

بدیع الزمان خراسانی ابن آقا شیخ علی سنہ ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) میں بشرویہ میں پیدا ہوئے

اور طہران و مشہد میں ادیب نیشاپوری۔ شیخ حسین نجم آبادی۔ آقا سید کاظم وغیرہ فضلائے عصر سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی۔ معانی و بیان۔ حکمت و فلسفہ میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔ ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۳ء) میں طہران آئے اور سر رشتۂ تعلیم میں ملازم ہوئے۔ اور اب طہران یونیورسٹی میں ادب کے پروفیسر ہیں۔

آپ کو فطرت نے غیر معمولی ذکاوت اور حافظہ عطا کیا ہے۔ اور آپ فصیح و بلیغ مقرر اور بلند پایہ مصنف بھی ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں "سخن و سخنوران" چار جلدوں میں ہے۔ جس کی پہلی جلد شایع ہو چکی ہے۔ "منتخبات اشعار فردوسی" بھی چھپ گئی ہے۔ "تاریخ ادبیات ایران تا عہد غزنوی" اور علم بیان و منطق و فلسفہ پر چند کتابیں ابھی شایع نہیں ہوئیں۔

۶۔ دہخدا

میرزا علی اکبر خاں نام ہے۔ دہخدا اور دخو کے ناموں سے ان کی نظمیں رسایل میں شایع ہوا کرتی تھیں۔ ان کے والد قزوین کے متوسط الحال اشخاص میں سے تھے جو ترک سکونت کر کے طہران آ گئے تھے۔ ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ء) میں یہ طہران ہی میں پیدا ہوئے۔ دس سال کے تھے کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ اور جائداد وغیرہ تلف ہو گئی۔ مگر ان کی والدہ نے تمام مصائب کا استقلال سے مقابلہ کیا اور بچوں کی بہترین تعلیم و تربیت کی۔

ماں نے شیخ غلام حسین کے پاس جو اس زمانہ کے فضلا میں شمار ہوتے تھے دہخدا کو تعلیم کے لیے بھیج دیا۔ انھوں نے لڑکے میں جوہر قابل پا کر بڑی توجہ سے تعلیم دی اور تمام علوم انکی محنت سے سکھائے۔ اسی زمانہ میں دہخدا کو شیخ ہادی نجم الدین کی خدمت میں حاضر ہونے کا بھی موقع ملا تھا۔ جب

طہران میں "مدرسہ سیاسی" کی بنیاد پڑی تو دہخدا وہاں داخل ہو گئے۔ تعلیم کے دوران ہی میں معاون الدولہ ایرانی سفیر بنکر یورپ روانہ ہوئے تو ان کو ساتھ لے گئے۔ اور دو سال دہخدا یورپ رہے۔

اسی زمانہ میں ایران میں آزادئ وطن کی تحریک شروع ہوئی۔ اور دہخدا بھی پورے جوش سے اس تحریک میں شریک ہو گئے۔ "صور اسرافیل" کی ادارت انہی ایام میں ان کی سپرد ہوئی۔ جب محمد علی شاہ معزول نے "مجلس ملی" کو توڑا اور قوم پرستوں پر بلائیں نازل کیں تو چند اور احرار کے ساتھ دہخدا بھی ملک بدر کئے گئے۔ یہ اول پیرس گئے۔ پھر قسطنطنیہ آئے۔ اور یہاں سے "سروش" نامی اخبار جاری کیا۔ ایران میں دوبارہ جمہوریت کے قیام پر قوم پرستوں نے دہخدا کو قسطنطنیہ سے واپس بلا لیا۔ اور وہ "مجلس ملی" کے رکن کی حیثیت سے قومی خدمات انجام دیتے رہے۔ "جنگ یورپ" شروع ہوئی تو یہ کئی سال کے لئے گوشہ نشین ہو گئے۔

بعد ازیں دہخدا نے "مدرسہ سیاسی" طہران کے پرنسپل کے عہدہ کو قبول کر لیا۔ اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ "کتاب حکم و امثال فارسی" چار جلد میں ہے۔ جس میں سے ایک جلد شایع ہو چکی ہے۔ دو ترجمے "عظمت انحطاط رومیان" اور "روح القوانین" اور دو لغات۔ ایک فرانسیسی سے فارسی میں اور دوسرا خود فارسی کا مکمل لغت ابھی شایع نہیں ہوئے ہیں۔

۵۔ پروین اعتصامی

پروین خانم اعتصام الملک میرزا یوسف خان اعتصامی کی بیٹی ہیں۔ سنہ ۱۳۲۹ھ (۱۹۱۰ء) میں طہران میں پیدا ہوئیں۔ باپ نے تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا تھا۔ گرلس اسکول

بھیجنے کے سوا خود بھی درس دیتے تھے۔ چنانچہ پروین خانم بہت تھوڑے عرصہ میں عربی، فارسی اور انگریزی ادبیات سے بخوبی واقف ہو گئیں۔ تحصیل علم کے ساتھ ان کو شاعری کا بھی شوق ہوا۔ فیاضِ حقیقی نے ذہن نقاد اور طبع وقاد عطا کی تھی۔ سخنوروں میں شمار ہوئیں اور بلند پایہ رسائل نے ان کی نظموں کو شائع کرنا باعث فخر سمجھا۔ غزل کم کہتی ہیں۔ اور زیادہ تر نظمیں قومی اور اصلاحی رنگ کی ہوتی ہیں۔

۸۔ پورداؤد

میرزا ابراہیم خاں نام ہے۔ ان کا خاندان رشت کے مشہور اور ممتاز تاجروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۰۳ھ (۱۸۸۶ء) کو رشت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ پھر طہران گئے اور وہاں طب یونانی حاصل کی۔ سنہ ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) میں بغداد اور بیروت گئے۔ بیروت میں تحصیل علم کے بعد سنہ ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء) میں پیرس پہنچے۔ اور یونیورسٹی میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل ہو گئے۔ یورپ میں جنگ عظیم کے چھڑ جانے پر فرانس سے نکل کر برلن اور بغداد ہوتے ہوئے کرمانشاہ آئے اور "رستخیز" اخبار جاری کیا۔ سنہ ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) میں پھر برلن چلے گئے۔ اور ایک مدت بعد سنہ ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں رشت کو مراجعت کی۔

پورداؤد سخت متعصب وطن پرست ہیں۔ آپ کو عربوں سے خاص عداوت ہے۔ چنانچہ عربی علوم اور عربی الفاظ کا نام و نشان بھی آپ ایران میں دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اور قدیم ایرانی زبان اور روایات کو زندہ کرنے کے حامی ہیں۔ پیرس میں قیام کے زمانہ میں آپ نے وہاں ایرانیوں کی ایک انجمن قائم کی تھی۔ اور برلن کے طویل قیام میں بھی برابر ملکی مفاد کے لئے پروپگنڈا کرتے رہتے تھے۔ وطن کی خوشحالی

وبدنظمی کے زمانہ سے متعلق بھی ان کی بہت سی قومی نظمیں یادگار ہیں۔
رشت میں کچھ مدت رہنے کے بعد آپ بمبئی اور پھر برلن گئے۔ اور اس زمانہ میں بہا بہا وستا کے مختلف حصوں خوردہ اوستا۔ یشت۔ یسنا اور گاتھا وغیرہ کے ترجمہ و تفسیر میں مصروف رہے۔ اب کچھ عرصہ سے آپ ڈاکٹر ٹیگور کی یونیورسٹی "شانتی نکیتن" میں پروفیسر ہیں۔ آپ کا دیوان "پوراندخت نامہ" بمبئی میں طبع ہو کر شایع ہو چکا ہے

۹ محمود خاں افشار

۱۳۱۳ھ ۱۸۹۵ء میں یزد میں پیدا ہوئے۔ تیرہ سال کی عمر میں بمبئی آئے تین سال یہاں تعلیم حاصل کرکے طہران کے "مدرسہ سیاسی" میں داخل ہوئے۔ انیس سال کی عمر میں یورپ گئے۔ یورپ کے ہشت سالہ قیام میں جرمنی۔ سوئٹزرلینڈ۔ فرانس انگلستان وغیرہ تمام ممالک کی سیاحت بھی کی۔ اور لوزان یونیورسٹی سے سیاسیات میں ڈاکٹری کی سند حاصل کرکے ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء میں طہران واپس آگئے۔ اول "مدرسہ سیاسی" میں سیاسیات و اقتصادیات کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ بعد ازاں کمرشیل کالج کے پرنسپل مقرر ہو گئے۔ اور کچھ مدت ججی کے عہدے پر بھی فائز رہے۔

یورپ کے قیام کے زمانہ ہی سے ڈاکٹر افشار کو ادبیات کا شوق تھا۔ اور سیاسیات تو آپ کا خاص مضمون تھا۔ آپ مضامین بھی لکھتے تھے جو لندن اور برلن کے رسائل کے علاوہ حبل المتین (کلکتہ) اور طہران کے بلند پایہ رسائل۔ ایران، شفق وغیرہ میں شایع ہوتے رہتے تھے۔ اسی زمانہ میں آپ نے ایک کتاب

"دول یورپ کی ایران میں سیاسی جدوجہد" پر فرانسیسی زبان میں لکھی جو برلن میں طبع ہو کر شایع اور مقبول ہوئی۔ طہران سے ۱۳۴۵ھ میں ایک ادبی اور سیاسی رسالہ "آئندہ" نکالا۔ جو کئی سال تک جاری رہا۔ آپ کو شعر و سخن سے خاص ذوق ہے۔ اور آپ کا شمار موجودہ دور کے مستند اہل قلم اور بلند پایہ شعرا میں کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ رضازادہ شفق

آقائے رضازادہ شفق تبریز میں پیدا ہوئے۔ اول یہیں بہترین عربی فارسی انگریزی تعلیم حاصل کی اس کے بعد یورپ گئے، جرمنی و فرانس وغیرہ کی سیاحت کی۔ اور اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری پائی۔ شعرائے عصر حاضر میں آپ خصوصیت کے ساتھ فکر نقاد۔ ذہن وقاد اور قلب حساس کے مالک ہیں۔ ان کے دو مرثیہ ہم نے انتخاب کئے ہیں جو انہوں نے اپنے والد اور بھائی کی وفات پر لکھے ہیں۔ ان مراثی سے ان کا جوہر سخن خوب چمکتا ہے۔

مرثیہ اصناف سخن میں نہایت قدیم چیز ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ تاثرات قلبی کے آئینے سب سے بہتر غزل و مرثیہ ہی ہیں۔ یہ دونوں جذبے دل کی ایک ہی گہرائی میں پیدا ہوتے ہیں اور سطح بیان پر آ کر دلوں پر یکساں اثر کرتے ہیں۔ مرثیہ کے اسلوب بیان میں سے اس خاص پہلو پر غور و نظر ضروری ہے کہ مرثیہ اگرچہ شخصی کیفیت اور ذاتی تاثر کا پرتو ہوتا ہے تاہم ادبی حیثیت سے وہ ایک ذات خاص سے نہیں بلکہ قوم و ملک اور زبان و ادب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے مرثیہ میں درد و الم اور غم و ماتم کے بیان سے اخلاق و عبرت کا مضمون پیدا کرنا مرثیہ کی محاسن شاعرانہ میں شامل ہے۔ یہ صفت رضازادہ کے ان مراثی میں نہایت حسن و خوبی

اور لطف و اثر کے ساتھ موجود ہے۔ آپ آج کل طہران یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ اور ملک کے نامور ادبا و فضلا میں شمار کئے جاتے ہیں۔

۱۱۔ اشرف رشتی سید اشرف الدین الحسینی نام اور "نسیم شمال" کے لقب سے معروف ہیں۔ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) میں رشت میں پیدا ہوئے۔ وطن میں عربی و فارسی کی تحصیل کرنے کے بعد تکمیل کے لیے ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۴ء) میں مشہد مقدس گئے۔ پانچ سال میں علوم متداولہ کی فراغت کے بعد رشت واپس آگئے۔ اور خوشنویسی کے ذریعہ بسر اوقات کرنے لگے۔ اسی زمانہ سے "نسیم شمال" نامی پرچہ جاری کیا۔ جمہوریت کے قیام کے بعد طہران آئے اور "نسیم شمال" یہیں سے شایع کرنے لگے۔ رشت میں ان کے پرچہ کو اس قدر مقبولیت حاصل نہ تھی لیکن طہران میں لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لینے لگے۔ ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۶ء) میں جنون کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ اس زمانہ سے اعزہ اور رفقا سب نے کنارہ کشی کر لی۔ اب نہایت تنگدستی میں مبتلا ہیں اور زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔

ان کے اشعار کی تعداد بیس ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے۔ کلام کے دو مجموعے "باغ بہشت" اور "نسیم شمال" شایع ہو کر قبول عام اور بقائے دوام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ ایک ناول "عزیز و غزال" بھی آپ کی تصنیف سے ہے اور طہران میں طبع ہو چکا ہے۔

۱۲۔ حبیب یغمائی میرزا حبیب نام اور قاجاری دور کے مشہور غزل گو شاعر یغما ئے جندقی کے پوتے ہیں۔ ۱۳۲۰ھ (۱۹۰۲ء) میں جندق کے ایک گاؤں خور میں پیدا ہوئے۔ جندق و طہران

میں تعلیم کو تکمیل کی حد تک حاصل کیا۔ کچھ مدت سمنان میں سررشتہ تعلیم میں ملازم رہے۔ اس کے چند سال بعد سے طہران یونیورسٹی میں فارسی ادب کے پروفیسر ہیں۔

آپ کی تصنیف "شرح حال یغما جندقی و بیابانک" کے دیباچہ میں میرزا عباس خاں اقبال آشتیانی لکھتے ہیں :-

"اس کتاب کا مصنف ۔۔۔۔۔۔ صاحب ذوق اور لطیف طبع شعرا میں سے ہے۔ آپ کا کلام قدما کے مانند پختہ مگر جدید روش پر ہے۔ اس دور میں جب کہ ہر شخص شاعر اور مصنف بن بیٹھا ہے، ایسے باکمال شخص کی فضائل لائق ستایش ہیں۔" (ترجمہ)

آپ کے اشعار کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے۔ جو اکثر رسایل میں طبع ہوتے رہے ہیں اور کتب درسی میں شامل ہیں۔ آپ کی دیگر تصنیفات "حالات امغان" "شرح حال منوچہری" "مقامات حمیدی" اور "تاریخ ادبیات ایران قبل از اسلام تا عہد حاضر" ہیں جو ابھی طبع نہیں ہوئی ہیں۔

۱۴ سالار شیرازی

ان کے اجداد میں امام قلی خاں والی فارس تھے اور شاہ عباس اعظم کے عہد میں انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ "مدرسہ خان" شیراز میں اور "پل مرودشت" ان سے یادگار ہیں۔ ان کے والد کا نام میرزا علی خاں تھا۔ شاہ ناصر الدین قاچار کے جشن ولادت کے دن صفر ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۴ء) میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ اور اسی مناسبت کی ان کا نام ناصر الدین رکھا گیا۔

سالار نے عربی و فارسی کی تحصیل شیراز میں کی۔ پھر انگریزی حاصل کرنے کے لیے ہندوستان کا سفر کیا۔ لڑکپن ہی میں تیر اندازی اور شہسواری کے فن کمال شوق سے حاصل کر لیے تھے۔ فراغت علم کے بعد قوام الملک میرزا حبیب اللہ خاں کے سکریٹری ہو گئے۔ جب قوام الملک کی نظام السلطنت سے جنگ ہوئی ہے۔ تو یہ لشکر کے سردار تھے۔ قوام الملک کو فتح نصیب ہوئی تو ان کو کارہائے نمایاں کے سلسلے میں "سالار جنگ" کا خطاب عطا ہوا۔ اس کے بعد بھی مدت تک ملکی و سیاسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اب اپنی ذاتی ریاست میں ادبی مشاغل میں مصروف ہیں۔ اور شیراز کی لٹریری سوسائٹی کے صدر ہیں۔ آپ کے اشعار اکثر رسائل میں طبع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کا شمار موجودہ دور کے قادر الکلام اور خوش فکر شعرا میں کیا جاتا ہے۔

۱۴۔ سعادت نوری

آقائے میرزا حسین خاں سعادت نوری ایران کے نامور فرزندوں میں سے ہیں۔ کم عمری و نوجوانی میں اپنی طبع سلیم کی رہنمائی سے اس قدر صحیح ذوق شعر و ادب پیدا کر لیا جو مستثنیات میں شمار کرنے کے قابل ہے۔ شاعر و ادیب کے ساتھ آپ صاحب تصنیف بھی ہیں۔ آپ کے ذوق سلیم اور نقد ادب کا ایک نہایت اچھا نمونہ ان کی تالیف "گلہائے ادب" ہے۔ جس میں شعرائے معاصرین میں سے ۴۷ مشاہیر سخن کے بہترین آثار شعری کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس مجموعہ کے سر آغاز (دیباچہ) میں وجہ تالیف یوں بیان کرتے ہیں۔

صرف نظر از کتب متقدمین آثار شعرائے معاصر نیز اغلب بصورت طبع نمی رسیدند و چہ

بسیار از جواہرات گراں بہا و اشعار آبدار یکہ از گنجینۂ افکار دانشمنداں تراوش نمودہ
بگوشت و کنار ازیں رفتہ است۔ امروز اگر خواستہ باشید مجموعۂ از آثار شعرائے
معاصر پیدا کنید قطعاً موفق نخواہید شد۔ لہذا ایں بندۂ ناچیز با کثرت مشغلہ کہ دارم
بجمع آوری مختصرے از آثار منظومۂ شعرائے معاصر اقدام نمودہ
و آنرا بہ پیشگاہ بلند دوست فاضل عزیز خود حضرت آقائے امین۔ مدیر دانشمند روزنامہ
"انجمن شکر" اہدا می کنم"

"گلہائے ادب" میں سہا دستانوری نے کچھ اپنا کلام بھی درج کیا ہے جس میں سے کچھ ہم نے اس مجموعہ میں انتخاب کیا ہے۔ آپ غزلیات بھی لکھتے ہیں اور قومی نظمیں بھی۔ ان کا خصوصی رنگ جوش و ولولہ ہے اور جدت ادا اور سلاست بیان ان کی ہر نظم میں نمایاں ہے۔ آپ فارسی و عربی کے سوا مغربی علوم و ادبیات کے بھی ماہر ہیں۔ چنانچہ آپ نے "ورڈس ورتھ" کی بعض نظموں کی فارسی نثر میں ترجمہ و تشریح۔ اور اس کے کلام و سوانح پر تنقید بھی قلم بند کی ہے۔

شہاب کرمانشاہی

آقائے محمد جواد شہاب ۱۲۸۰ھ ش ۱۹۰۲ء میں کرمانشاہ میں پیدا ہوئے۔

علوم و فنون متداولہ کی تحصیل کے ساتھ ہی شہسواری و تیراندازی میں بھی کمال پیدا کیا۔ کچھ مدت کرمانشاہ سے "صدائے شہاب" نامی اخبار شائع کرتے رہے۔ بڑے زندہ دل، صاحب ذوق، خوش مذاق، باکمال ادیب اور پرگو اور زود گو شاعر ہیں۔ قصیدہ اور غزل ان کا خاص میدان ہے۔ آپ کے مجموعہ ہائے کلام "رشحات شہاب"، "لسان العاشقین"، "دبستان معرفت"، "کیمیائے سعادت"، "مجموعہ قصائد"

"چشمہ نوش"، "تیر شہاب"، "پریشان"، "شکرستان" اور "نظم الٰہی" ہیں۔ ان میں صرف آخری دو طبع ہوئے ہیں۔

۱۶۔ شوریدہ شیرازی

حاجی محمد فصیح الملک شوریدہ شیراز میں پیدا ہوئے۔ "نامۂ ناصری" میں انھوں نے خود اپنی ولادت کا سال ۱۲۷۴ھ لکھا ہے۔ اور حسب ذیل اشعار تاریخی درج کئے ہیں:

از ہزار و سی صد افزون دو سال است ہفت — کز پی سال ولادت ہمی خواست ...
گفت کز امید امت گشتش ... — رفتہ بود از سال ہجرت ہفت سال و ہفتاد و ...
اینک اعداد جمل را ... — [illegible]

آپ کا نسب نامہ اہلی شیرازی مصنف "سحر حلال" تک پہنچتا ہے۔ سات سال کے تھے جب چیچک میں مبتلا ہوئے اور بینائی سے محروم ہو گئے۔ نو برس کی عمر میں باپ رحلت کر گئے۔ تو ماموں کے زیر سایہ تربیت پانے لگے۔ لیکن باوجود ان نامساعد حالات کے طبع سلیم، ذکاوت فطری اور عالی حوصلگی کی بنا پر وہ نیک نامی حاصل کی کہ غیر فانی شہرت کے مالک بن گئے۔

زمانہ طفولیت ہی میں اپنے ماموں کے ساتھ حج کا شرف حاصل کر لیا تھا۔ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء میں نظام السلطنت حسین قلی خاں کی مصاحبت میں داخل ہوئے۔ اور ان کی وساطت سے شہزادہ امین السلطان کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ ناصر الدین شاہ اور مظفر الدین شاہ کی مدح میں بھی آپ نے قصائد لکھے ہیں۔ ایک بار ناصر الدین شاہ قاچار کے دربار میں فی البدیہہ رباعی سنائی تھی جس کے صلہ میں "فصیح الملک" کا خطاب مرحمت ہوا۔

زنتم بدرگہ شہ و خواندم ثنائے شہ — احسنت شہ شنیدم و چشمم ورا ندید
چون مصطفیٰ کہ شد شب معراج سوئے عرش — روئے خدا ندید و ندائے خدا شنید

سنہ ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۶ء) میں طہران سے شیراز آئے اور سنہ ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں وہیں شادی کی آپ کی اولاد میں آقا حسین شیفتہ اور آقا حسن احسان بھی اس عہد کے خوش فکر حضرات میں ہیں۔ ۹ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۶ء) کو شیراز ہی میں انتقال ہوا۔ اور حضرت شیخ سعدیؒ کے قریب دفن ہوئے۔ آپ کے کلام میں قصائد، غزل، قطعہ، رباعی، تاریخ سب کچھ ہے۔ اور فارسی شاعری میں کلاسیکی نظم کا درجہ رکھتا ہے۔

اعلیٰ حضرت رضا شاہ پہلوی کی تخت نشینی کی تاریخ تفنن طبع کے لئے درج ہے۔

اے امیر لشکرائے محمود راد — اے کہ لشکر ہست از شاہ نوزی
تعمیہ تاریخ بس صعب است لیک — گفت شوریدہ فصیح شیرازی
از رضا خان نام احمد پادشا — در عدد کم شد فزون شد پہلوی

سنہ ۱۳۴۴ھ = ۵۴ + ۱۲۹۱ = ۱۲۹۱-۱۳۵۲

فصیح الملک نے اپنی وفات سے بہت پہلے خود اپنی انتقال کی تاریخ نکالی تھی۔ اور اٹھارہ شعر کا قطعہ کہا تھا۔ صرف تاریخ کا شعر نقل کرتا ہوں۔

سال فوتم بربیع دوم این مصرع گشت — شد شوریدہ بجان جانب جنان نہم

۱۷۔ عارف قزوینی

میرزا ابوالقاسم عارف سنہ ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۲ء) میں قزوین میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ہی موسیقی اور خوشنویسی میں مہارت پیدا کی۔ اور مجلس روضہ خوانی کرتے رہے۔ ۱۷ سال کی عمر میں "خانم بالا" ایک حسینہ سے عشق ہو گیا۔ اور

اپنے اور اس کے اعزہ کے منشا کے خلاف شادی کرلی۔ چند سال بعد دباؤ پڑنے کی وجہ سے طلاق دینی پڑی۔ مگر پھر دونوں نے ہرگز دوبارہ شادی نہ کی۔ ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں رشت گئے اور ۱۳۱۶ھ (۱۸۹۸ء) میں طہران آکر موثق الدولہ امیر کی مصاحبت میں داخل ہوگئے۔ اس کے بعد وزیر اعظم اور شاہ مظفر الدین قاچار کے درباروں میں رسائی حاصل ہوگئی۔ لیکن مزاج میں آزادی تھی۔ دربار داری اور مذہبی پسند طبع نہ ہوئی۔ تحریک جمہوریت کے شروع ہوتے ہی سب کچھ چھوڑ احرار کی جماعت میں پیش پیش ہوگئے۔ اور جب احرار کو ایران سے ہجرت کرنی پڑی تو یہ بھی قسطنطنیہ چلے گئے۔

عارف قولاً اور فعلاً ہر طرح آزادی کے علمبردار ہیں۔ انقلاب کے زمانہ میں آپ گاؤں گاؤں کا دورہ کرکے اپنی غزلیں گاتے اور ملک بھر میں آگ لگاتے پھرتے۔ ظالم اور سرکش امرا و حکام کے خلاف آپ برابر علم جہاد بلند رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار میرزا احمد خاں قوام السلطنت وزیر نے آپ کے باغیانہ اشعار بالخصوص اس شعر کی وجہ سے جس میں خود اسی پر حملہ تھا آپ کو قید کر دیا تھا۔

آں کسے راکہ دریں ملک سلیماں کردند — ملت امروز یقیں فہمید کہ او اہرمن است

عارف نے نئی نئی بحریں اور اوزان ایجاد کیے ہیں۔ جن کو صرف ماہرین موسیقی ہی گا سکتے ہیں۔ اس قسم کی نظموں کے سوا آپ کا کلام زیادہ تر غزلیات پر مشتمل ہے۔ آپ کا دیوان ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں برلن میں چھپ چکا ہے۔ جس پر ڈاکٹر رضا زادہ شفق نے مقدمہ تحریر کیا ہے۔ آپ کے اشعار لطیف جذبات قومی سے لبریز ہیں۔ اور سننے سنانے والوں کے جذبات ملی کو برانگیختہ کرتے ہیں۔ آپ کی غزلیں قومی

محفلوں میں گائی جاتی ہیں۔ اور آج بھی قارئین و سامعین ان پر سر دھنتے ہیں۔

۱۸۔ غمام ہمدانی

آقا محمد یوسف زادہ غمام پسر حجۃ الاسلام آقا سید یوسف ہمدانی۔ رجب ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء میں نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔ نجف اشرف اور ہمدان میں عربی و فارسی کی تعلیم پائی۔ اور علوم و فنون متداولہ کی تحصیل کی۔ دورہ مشروطیت میں آپ احرار کے لیڈر رہے۔ آزادی وطن کی خاطر آپ نے بہت مشقتیں جھیلی ہیں۔ ہمدان سے ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء میں آپ نے "الفت" نامی اخبار جاری کیا۔ اور "انجمن اتحاد" قائم کی۔ جو کئی برس تک احرار کا ملجا و ماوی بنی رہی۔ ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء میں مشروطیت کے قیام کے بعد آپ سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے۔ اور صرف بعض اوقات ضرورتاً منظر عام پر آتے ہیں۔ ورنہ تجارتی و ادبی مشاغل میں مصروف اور قومی و ملکی مسائل سے علیحدہ ہیں۔

غمام کا کلام زیادہ تر غزلیات پر مشتمل ہے۔ آپ کی غزلوں کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ فلسفہ و حکمت، پند و موعظت کے مضامین آپ کا خاص موضوع ہیں۔ جنھیں آپ غزل کی سادہ و سلیس، شگفتہ و شیریں زبان میں پیش کرتے ہیں۔ اور مغلق اور پیچیدہ الفاظ کہیں نہیں نظر آتے۔

۱۹۔ فرخ خراسانی

میرزا سید محمود جواہری ۲۳ جمادی الاول ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء کو مشہد مقدس میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد میرزا سید احمد "آقائے جواہری" خراسان کے مشہور اہل علم و فضل میں شمار کئے گئے ہیں۔ فرخ نے باپ کے زیر سایہ عربی و فارسی علوم رائجہ کی تعلیم پائی۔ اور تحصیل علمی کے بعد تجارت وغیرہ میں مصروف ہو گئے۔ ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء میں روس، جرمنی، فرانس وغیرہ کی

سیاحت کی۔

شعر و سخن میں آپ نے کم عمری ہی میں استادوں کی سی مشق و قدرت بہم پہونچالی تھی۔ آپ کے اشعار کا جوہر روانی و شگفتگی اور سلاست و شیرینی ہے۔ اور آپ دور حاضر کے خوش گو اور صاحب فن باکمال سخنوروں میں گنے جاتے ہیں۔

۲۰۔ فرخی یزدی میرزا محمد فرخی ۱۳۰۶ھ ۱۸۸۸ء میں یزد میں پیدا ہوئے تحصیل علم کے بعد کسب معاش اور دنیاداری میں مصروف ہو گئے۔ تحریک انقلاب شروع ہوئی تو یہ بھی اس میں شامل ہو گئے۔ ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء کے جشن نوروز کے موقعہ پر ایک پرجوش مسدس پڑھ کر سنایا جس کا مطلع یہ تھا۔

عید جم شد اے فریدون خوبت ایران پست — مشت با ہی خصم ضحاکی است این خم نہ زدست
حالیا کز ظلم و تور انگلیس و روس ہست — ایرج ایران سراپا دستگیر و پای بست
بہ کہ از راہ تمدن ترک بے مہری کنی
در رہ مشروطہ اقدام منوچہری کنی

حقیقت میں یہ مسدس عجیب طوفان انگیز اور ولولہ خیز نظم ہے ضیغم الدولہ قشقائی حاکم یزد اس قدر آپے سے باہر ہوا کہ اس نے حکم دیدیا کہ فرخی کا منہ سی دیا جائے۔ اور قید کر دیا جائے۔ چنانچہ مدت تک فرخی قید میں اور منہ کے زخموں کے شدائد میں گرفتار رہے۔ اور اس کے اثر سے اب بھی گفتگو صاف اور واضح نہیں ہے۔ قید سے رہا ہونے پر آپ کا قومی جوش اور خدمت ملک کا جذبہ اور بھی تیز ہو گیا۔ اور آپ پوری سرگرمی سے اصلاح ملک و قوم کے کام میں مصروف ہو گئے

یورپ کی جنگ عظیم کے زمانہ میں فرخی بغداد اور کربلا کو ہجرت کر گئے۔ وہاں سے انگریزوں نے نکالا تو موصل چلے گئے۔ پھر ایران واپس آئے تو روسیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے اور عرصہ تک قید رہے۔ پھر وثوق الدولہ اور سید ضیاء الدین طباطبائی کے عہد وزارت میں دوبارہ قید ہوئے۔ سنہ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں آپ نے "طوفان" جاری کیا۔ جو اپنے عہد کا بہترین ادبی و سیاسی اخبار تھا۔

انقلاب روس کے جشن دہم کے موقعہ پر آقائے فرخی یزدی۔ آقائے شیروانی مدیر روزنامہ میہن۔ اور شاہزادہ سلیمان میرزا روسی دعوت کے جواب میں ماسکو گئے۔ فرخی نے واپسی پر اپنا سفرنامہ اور اس زمانہ کے تاثرات "طوفان" میں شایع کرنے شروع کئے لیکن حکومت نے اخبار بند کر دیا تو یہ سلسلہ بھی مسدود ہو گیا۔

سنہ ۱۳۳۷-۳۹ھ/۱۹۱۸-۲۰ء میں آپ یزد کی طرف سے مجلس ملی کے ممبر منتخب ہوئے۔ مجلس میں اکثریت حکومت کے حامیوں کی تھی اور فرخی مخالفین کے سرگروہ تھے۔ اس لئے آپ کو اکثر طعن و ملامت کا آماجگاہ بننا پڑتا تھا۔ غرض آپ نے اپنی پوری عمر قومیات کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ اور اس قرن کے وطن پرستوں میں آپ کا نام زریں حروف میں نمایاں کئے جانے کے قابل ہے۔

آپ کی منظومات، غزلیات اور رباعیات قومی جذبات اور جوش ملکی سے لبریز ہیں۔ آپ نہایت زود گو اور پر گو قادر الکلام شاعر ہیں۔ عموماً چند منٹ میں پوری غزل کہہ لیتے ہیں۔ آپ کا کلام ابھی تک علیحدہ کتابی صورت میں شایع نہیں ہوا۔

محمد طاہر فاروقی

مارٹن محل، آگرہ۔

یکم مارچ سنہ ۱۹۳۶ء

منظومات

ملک الشعرا میرزا محمد تقی بهار خراسانی

کل الصید فی جوف الفرا

چار تن در یک زمان جستند در دانشوری — پنج نوبت کوفتند اندر شعر و شاعری

جاه و آب یافتند کی شد تازه زین چار استاد — فرخی و عسجدی و زینبی و عنصری

درگه محمود شد زین چار شاعر پر فروغ — همچنان کز هفت اختر گنبد نیلوفری

زر فرستادند بهر شاعر از بر پشت پیل — اینت خوش بازارگانی آنت الاشتری

بود کار شاعران در حضرت غزنی بجاه — زانکه جان محمود را بد شیوه شاعر پروری

بهر خدمت هر یکی نیکو غلامان داشتند — با کمرهای مرصع با قباهای زری

ایستانیده بدرگه مرکبان راهوار — گسترانیده بمجلس فرشهای عبقری

در حضر همراه خسرو در سفر همراه شاه — شوق خدمت در سر و در دستشان ششپری

چرخ بر این چار تن بگماشت چشم عاطفت — دهر بر این چار بود افگنده مهر مادری

با چنان حشمت که بودند آن اساتید بزرگ — با لیاقت در کنار و فضل و حکمت برتری

بندگان خود شاگردان بر استاد طوس — زانکه بود آن یکه تاز سخن سنجان دوران بهتری

من عجب دارم از آن مردم که هم پهلو نهند — در سخن فردوسی فرزانه را با انوری
انوری هر چند باشد اوستادی بی بدیل — کی زند با اوستاد طوس لاف همسری
سحر هر چندان قوی عاجز شود با معجزه — چون کند با دست موسی سحرهای سامری
شاهنامه هست بی اغراق قرآن مجسم — رتبه دانای طوسی رتبه پیغمبری
شاعری را شعر سهل و شاعری را شعر صعب — شاعری را شعر سخته شاعری را سرسری
آن یکی پند و نصایح آن یکی عشق و مدیح — این یکی هزل و شعر لعبت آن یکی صوفی گری
بهترین شعری از این اقسام در شهنامه است — از مدیح و وصف و عشق و پند چون خوش بنگری
در مقام چاره سازی چون پزشکی چیره دست — در مقام کینه توزی چون پلنگ بربری
چون دم از تقدیر و از توحید یزدانی زند — روح را از نغمه اش سازد یکی تنیاگری
داستانها بسته چون زنجیر پولادین بهم — کاندر آنها لفظ با معنی شده همسری
باغبان وش از برای هر داستانی نو بنو — بسته از اندرز خوش یکدسته گلهای طری
چند روح اندر یکی شاعر بهم استا و فتاد — فیلسوفی، پادشاهی، گربزی، کندآوری
زین طبایع مختلف سر زد صفات مختلف — وان صفتها شعر شد و آن شعر باشد دفتری
شعر شاعر نغمهٔ آزاد روح شاعر است — کی توان این نغمه را بنهفت با افسونگری
فی المثل گر شاعری مهتر نباشد در منش — هرگز از اشعار او ناید نشان مهتری
ور نباشد شاعری اندر منش والاگهر — نشنوی از شعرهایش بوی والاگوهری
هر کلامی باز گوید فطرت گوینده را — شعر زاهد زهد گوید شعر کافر کافری
ترجمان مخبر والای فردوسی بود — هر چه در شهنامه است آثار والامخبری
[illegible] که دارند اهل فردوس برین — بر زبان لفظ دری - جای زبان دری

نی عجب گر خازن فردوس فردوسی بود | کو بود بی‌شبهه رب‌النوع گفتار دری
عیب بر شهنامه و گوینده‌اش هرگز نکرد | جز کسی کش نیست عقل از وصمت نقصان بری
گر نه با افسار قانونشان به پیچانند پوز | از بر بستان دانش لنگ ننهد از خری
کس بد ایشان نگوید گرچه زن و فرزندشان | لاجرم خصم بزرگانند و خصمی مفتری
هر کسی مشهور شد این قوم بدخواه وی‌اند | زانکه بوم شوم باشد دشمن کبک دری
این ددان با سعدی و حافظ همیدون دشمن‌اند | گرچه زو مجبور و خلق اندر آن بنیان آذری

مدح فردوسی شنیدم از شجاع‌الملک و گفت | طبع من از خواندن شعرش بدین گفتن جری
شطری اندر شعر گفتم از سال و ماه اوستاد | اینک این تاریخ نیک آید چو نیکو بشمری
سی صد و سی یا لیالی کمتر از مادر بزاد | هم به شصت و پنج کرد آغاز دستان‌گستری
در اوایل چارصد شد سپری شهنامه‌اش | یازده سال دگر شد عمر شاعر اسپری
برد سی و پنج سال اندر کتاب خویش رنج | ماند باقی چنان گنجی بدین پهناوری
زر نگرفت او و زیرا کارفرمایان بدند | بسته همچون سکه بر دل نقش زر جعفری
جود محمودی در آغاز جهانگیری بود | چون فزون شد گنج رادی رفت آمد ممسری
زنده شد ایران از این شهنامه گرچه شاعرش | خون دل خورد و ندید از بخت الا بدبری

تا به عهد پهلوی شاهنشه والاگهر
شد هزاره او و در انگشت جهان انگشتری

افکار اخلاقی و فلسفی

از برای این کرهٔ پست حقیر   زیر این قبهٔ مینای بلند
نیست آسوده کس از خرد و کبیر   من چرا بیهوده باشم خورسند

شده ام در همه آفاق باریک   رفته تا سرحد اسرار وجود
چیست هستی؟ نقطهٔ بس تاریک   واندر آن نقطه مشکلی مشهود

بجز آن نقطهٔ نورانی شک   نیست در این افق تیره فروغ
عقل بستم بحقایق یک یک   راست گویم؟ همه هم هست دروغ

غیر هستیم نیاید بنظر   غم و شادی خوش و ناخوش بد و خوب
بکشند کوکبهٔ صبح دگر   در بهم جلوهٔ تشییع غروب

فکر عصیان زده رستم ز گل   همچو گرداب یکی روح عظیم
چون یکی کشتی بشکسته دگل   پیش امواج حوادث تسلیم

خلق را کرده طبیعت ز ازل   بهر قانون طلب ارزانی
سیر تا سیر ورا هست اوّل   رمز تا سیر تکامل ثانی

روح من گر ز نیاکان من است   العجب پس من بدبخت که ام؟
ور گر این روح و خرد زان من است   بسته بند وراثت چه ام؟

یک نیا ماهر و عارف مشرب   یک نیا لشکری و دیوانی
پدرم شاعر و من نیز به نسب   شاعر و لشکری و روحانی

جد من تاجر و زین رو شده پدر   در من آهنگ تجارت فرمود
اثر تربیتش گشت هدر   لیک بر روح من آسیب فزود

من نه زاهد نه مجاهد نه حریف   من نه تاجر نه سپاهی نه ندیم
همه با حرفت و با نه حریف   همه کاره‌ام و نه علیم

سخت چون سنگ سپر خواهد   هر دم به نگه افکنده درنگ
گوی از هر نشان تیر انداز   هدف تیر خدنگ نامید و رنگ

گل پیش‌رس

بهار نشکفته‌ای اندر یک سال شبیه   تنها پیدا شده با [illegible] پیدا
نشکفته [illegible] ز ... و دست [illegible]   ز ابر و به افشاند خورشید [illegible]

گره شد گلوگاه باد شمال — هوای دژم را نگون گشت حال
بعمدا رنگ سیمرغ زرین کلاه — بزد تیر در چشم اسفند ماه
گر از بیم برف و بتا بیم شید — بجوشید سبزه بجنبید بید
دو ده روز از آن پیش کاید بهار — فریبنده خورشید شد گرم کار
بپستان خورشید زرق سپهر — بهاری پدیدار شد خوب چهر
بزد برگ گل تر سر از شاخ خشک — پر از مشک شد زلف بید مشک
دو سه روز شب گشت و شب روز شد — گل پیش رس گلشن افروز شد
نگار بهار و خدیو چمن — گل یاسمن زیور انجمن
بیک ماه از آن پیش کایام اوست — بر آمد ز مغز و برون شد ز پوست
بخندید بر چهره خورشید روز — بشب خفت پیش مه دلفروز
گمان برد مسکین که خورشید ماه — بر او مهر ورزد بیگاه و گاه
ندانست کانیک نه هنگام اوست — که بر جای می زهر در جام اوست

بناگه طبیعت بر آمد ز خواب — فرو خفت خورشید بر شد سحاب
بغرید باد از بر کوهسار — بیفتاد ناژو و خم شد چنار
زبانه خنک طبیعی آغاز کرد — طبیعت بسردی سخن ساز کرد
بیفتاد برف و بیفسرد جوی — سیه زاغ در باغ شد بذله گوی
سراسر بیفسرد و پژمرد باغ — همان پیش رس گوهر شب چراغ
شکر خنده نازش بکنج لبان — بیفسرد و دشنامش اندر زبان

چنین است پاداش زود آمدن — بامید باطل فسرده آمدن

من آن پیش رس غنچه تازه ام — که هرجا رسید است آوازه ام
من آن نوگل برگ جان خورده ام — بغفلت فریب جهان خورده ام
سبک راه صد ساله پیموده ام — به بیگانه رخساره بنموده ام
بخون گرمی روز بشگفته ام — ز دم سردی شب بخون خفته ام
ز بی آبی عرق پژمرده ام — ز سرمای عادات افسرده ام
نموده در ایام یک روز شاد
نخندید در باغ یک بامداد

فردوسی

سخن بزرگ شود چون درست باشد و راست
کس ار بزرگ شد از گفته بزرگ رواست
چه جد و چه هزل او درآید بآزمایش کج
هر آن سخن که نه پیوست با معانی است
شنیده ای که بیک بیت قلعه‌ای بنشست
شنیده ای که ز یک شعر کینه ای برخاست
سخن گر از دل دانا نخاست زیبا نیست

گرش قوافی مطبوع و لفظها زیباست

کمال هر شعر اندر کمال شاعر اوست
که صنع دانا انگارهٔ دل داناست

چو مرد گفت دنی قولهای اوست دنی
چو مرد والاست گفته‌های او والاست

سخاوت آرد گفتار شاعری که سخی است
گدائی آرد اشعار شاعری که گداست

کلام هر قوم انگارهٔ سرائر اوست
اگر فریبگرست یا شکار دریاست

نشانِ سیرتِ شاعر ز شعر شاعر جوی
که فضل گلبن «در فضل آب و خاکش» است

درست شعری فرع درستی طبع است
بلند رتبتی فرع بلندی بالاست

بود نشانهٔ خبث «حطیئه» گفتهٔ او
چنانکه گفتهٔ «حسّان» دلیل صدق و صفاست

کمال شیخ «معرّی» ز فکر اوست پدید
شهامت «متنبّی» ز شعر او پیداست

نشان خوی «دقیقی» و خوی «فردوسی» است
تفاوتی که به شهنامه‌ها ببینی راست

بلی تفاوت شهنامه را بمعنی و لفظ
درست و راست به هنجار خوی آن و گواست

جلال و رفعت و گفتار های شاهانه
نشان همت فردوسی سخن آراست

خطاب های دلیرانه و شجاعت ها
دلیل مردی گوینده است و فخر او راست

محاورات حکیمانه و روایت هاش
گواه شاعر در عقل و در رای حکمت زاست

صریح گرچه گفتار های او کاین مرد
به همت از امرا و به حکمت از حکماست

کجا تواند یک تن دو گونه کردن فکر
جز آن که گویی دو روح در تنی تنهاست

بصد نشان هنر اندیشه کرده فردوسی
نعوذ بالله پیغمبر است اگر نه خداست

درون صفحهٔ بازی یکی نمایش گر
اگر دو گونه نمایش دهد بسی والاست

یکی به پهنهٔ شهنامه بین که فردوسی
بصد لباس مخالف ببازی آمده است

امیر کشورگیر است و گرد لشکرکش
وزیر روشن رای است و شاعر شیداست

مکالمات ملوک و محاورات رجال
همه قریحهٔ فردوسی است بی کم و کاست

برون پرده جهانی ز حکمت است و هنر
درون پرده یکی شاعر ستوده لقاست

به تخت ملک فریدون به پیش صف رستم
به احتشام سکندر به مکرمت داراست

بگاه پوزش خاک و بگاه کوشش آب،
بوقت هیبت آتش بوقت لطف هواست

بوقت رای زدن به ز صد هزار وزیر
که هر وزیر دارای صد هزار دهاست

به بزم سازی مانند باده نوشش ندیم
به پارسائی چون مرد مستجاب دعاست

بگاه خوف مراقب بگاه کین بیدار
گه ثبات چو کوه و گه عطا دریاست

بحسب حال کجا شمرد حکایت خویش
حدیث های سر عشق تهی ز روی ریاست

بزرگوارا، فردوسیا! بجای تو من،

یک از هزار نیارست گفت از آنچه رواست
ترا ثنا کنم و بس، که زین دغل مردم
همی ندانم یک تن که مستحق ثناست
ترا کنیم ثنا تا که زنده ایم بدهر
که شاهنامه ات ای شهره مرد محیی ماست

جلال الممالک شاهزاده ایرج میرزا

قلب مادر

داد معشوقه بعاشق پیغام — که کند مادر تو با من جنگ
هر کجا بیندم از دور کند — چهره پرچین و جبین پر آژنگ
با نگاه غضب آلود زند — بر دل نازک من تیر خدنگ
از در خانه مرا طرد کند — همچو سنگ از دهن قلماسنگ
مادر سنگ دلت تا زنده است — شهد در کام من و تست شرنگ
نشوم یکدل و یکرنگ ترا — تا نسازی دل او از خون رنگ
گر تو خواهی بوصالم برسی — باید این ساعت بیخوف و درنگ
روی و سینه تنگش بدری — دل برون آری از آن سینه تنگ
گرم و خونین بمنش باز آری — تا برد ز آینه قلبم زنگ

عاشقِ بے خرد و ناهنجار | نه بل آن فاسقِ بے عصمت و ننگ
حرمتِ مادری از باده ببرد | خیره از باده و دیوانه ز بنگ
رفت تا مادرش بیفگند بخاک | سینه بدرید و دل آورد بچنگ
قصدِ سر منزلِ معشوق نمود | دلِ مادر بکفش چون نارنگ
از قضا خورد دمِ در بسرِ پیش | واندکے رنجه شد او را آرنگ
آن دلِ گرم که جان داشت هنوز | اوفتاد از کفِ آن بے فرهنگ
از زمین باز چو برخاست نمود | پے برداشتنِ دل آهنگ
دیدکز آن دلِ آغشته بخون | آید آهسته برون این آهنگ

آه دستِ پسرم یافت خراش
وائے پائے پسرم خورد بسنگ

در مذمت شراب

ابلیس شبے رفت ببالینِ جوانے | آراسته با وضعِ مهیبے سر و بر را
گفتا که منم مرگ اگر خواهی زنهار | باید بگزینی تو یکے زین سه خطر را
یا آن پدرِ پیرِ خودت را بکشی زار | یا بشکنی از خواهرِ خود سینه و سر را
یا خود ز مے ناب بنوشی دو سه ساغر | تا آنکه بپوشم ز هلاکِ تو نظر را
لرزید ازین بیم جوان برخود و جا داشت | کز مرگ فتد لرزه به تن ضیغمِ نر را
گفتا نکنم با پدر و خواهرم این کار | لیکن بمے از خویش کنم دفعِ ضرر را

جامی دو سه می خورد چو شد تیز ز مستی / هم خواهر خود را زد و هم کشت پدر را
ای کاش شود خشک بن تاک خداوند / زین مایه شر حفظ کند نوع بشر را

گفتگوی کارگر و کارفرما

شنیدم کارفرمایی نظر کرد / ز روی عجب و نخوت کارگر را
روان کارگر از وی بیازرد / که بس کوتاه دانست این نظر را
بگفت ای گنجور این نخوت از چیست / چو مزد رنج بخشی رنجبر را
من از آن رنجبر گشتم که دیگر / نبینم روی کبر گنجور را
تو از من زور خواهی من ز تو زر / چه منت داشت باید یکدگر را
تو صرف من نمائی بدره سیم / منت تاب روان نور بصر را
ز من زور و ز تو زر این بآن در / کجا باقیست جا عجب و نظر را
نه باقی داد این دفتر نه فاضل / گهر دادی و بس دادم گهر را
بکس چون رائگان چیزی نبخشند / چه کبر است این خداوندان زر را
چرا بر یکدگر منت گذارند / چو محتاج اند مردم یکدگر را

تعارف

یارب ایں عادت چہ می باشد کہ اہل ملک ما
گاہ بیروں رفتن از مجلس نہ دیدہ رم می کنند

جملہ بنشینند با ہم خوب و برخیزند خوش
چوں بہ پیش در رسند از یکدگر رم می کنند

ہمچناں در موقع وارد شدن بر مجلسے
گر ز پیش رو گہے از پشت سر رم می کنند

بر زباں آرند بسم اللہ بسم اللہ را
گر بپاجن دیدہ یا از جانور رم می کنند

اینکہ وقت رفت و آمد بود اما ایں گروہ
در نشستن نیز یک نوعِ دگر رم می کنند

آں یکے چوں می نشیند آں یکے در می جہد
تا دو نوبت گاہ کم گہ بیشتر رم می کنند

فرضاً اندر مجلسے گر دہ نفر بنشستہ اند
چوں یکے وارد شود ہر دہ نفر رم می کنند

گوئی اندر صفحۂ مجلس فنر بنشاندہ اند
چوں یکے پائے نہد روے فنر رم می کنند

نام ایں رم را ناداناں ادب بنہادہ اند

بیشتر از صاحبان سیم و زر رم می‌کنند
از برای آنچه رم مطلقاً معمول نیست
تا توانند از برای گنج و زر رم می‌کنند

قوی و ضعیف

قصه شنیده‌ام که بوالعلا همه عمر　　لحم نخورد و ذوات لحم نیازرد
در مرض موت با اجازهٔ دستور　　خادمکی جوجه‌با به محضر او برد
خواجه چو لختی آن مرغ کشته دید برآ　　اشک تحسر ز هر دو دیده بیفشرد
گفت که ای طیر از چه شیر شرزه نگشتی　　تا نبد از کست چون تو کشته و خورده
مرگ برای ضعیف امر طبیعی است
هر قوی اول ضعیف گشت سپس مرد

میرزا ابوالحسن خان فروغی

انسانیت

اگر دیده بی نور دیده نبود　　هم این آدمی ز خرد آدمی است
چنو دیدهٔ بی خرد نیست مردم کسی　　تو چون تن به بیدانشی خرمی است

خرد را بدانش شناسد خرد / ترا هم خرد معنی مردمی است
نیاز ار بدانش نداری مناز / به بیشی خود کانچه داری کمی است
چه نازی که در حلقهٔ روزگار / چه مردم منم خود همه را تمامی است
نگین خرد نیست در شست تو / سلیمانیت چون نه چون خاتمی است
فروغی گرفت باکسی یار باش / که با اهل دانش ترا یاری است

بود تا چرا حاجت نقش وجود
بدان دم رسد کاندرو مردمی است

عزم و همت

خوش آن کس برآسودگی رای نیست / ز هر مشکلش هیچ پروای نیست
در آن آید از راه در چشم عزم / از ایرا که در رفتنت رای نیست
اگر پای همت بود مرد را / سراسر جهان جای یک پای نیست
فراخ است گیتی ز هر سو که تو / نگوئی یکی جنبشم جای نیست
به کنج فرو را نشستن گرای / روانم بر این ز رفت پهنای نیست
همین دایره ژرف گیتی بجوی / جز از عزم جانهای والای نیست
همان کرسی ایزد این جهان نشست / که بخشش گران را ازیرای نیست
ز افلاک سیر تو تنگی دراست / مکان را ازین ارتج پیدای نیست
نشست این همه گیتی یکی کارگاه / نشستن برش جز تو جولای نیست
چه بنده که بر شد پایه آرا سخن / که جز تو بر وچهره آرای نیست

تو هر نقش زیبا که بینی بباغ
جز از خلق آن چشم بینائے نیست

به بینش وراست آفرینندگی
که بے دیدهٔ خود نقش زیبائے نیست

همان چشم بینائے گیتی توئی
عجب گر ترا گردش آسائے نیست

از آن تیرگی ها به چشم کور
که ساده دلت همت افزائے نیست

جز از کار بینش نیفزاید است
جز از بینشت کار افزائے نیست

فروغی که در نام دارد فروغ
بدین نام تازنده بے جائے نیست

جهان بے فروغ خردمند نیست
جز از بستر خار و خارائے نیست

خرد جز یکے نور بینش فزائے
که همت کند سوی بالائے نیست

عزت نفس

برآنم که دست از جهان باز دارم
جهان با جهان جوی غافل گذارم

مرا پردهٔ غفلت از دیده پاک دم
گرفتند زان پس تنعم ندارم

چه بندم بدان نعمت شوم دل را
که از کشته اش پشته ها برشمارم

مرا هیچ گل نشگفد پیش خاطر
جز از خار کز خسته پائے برآرم

ز گردون همه رنج زاری کشیدن
از آن به که نزد یک دونان برآرم

مخمس در جنگ بین المللی

آمد دی و بهمن سخن اینست با مجاز — روزی است که گل را کند نامه اعزاز
ور ماند بشاخ غنچه دهن می نکند باز — هر مرغ بصحرای دگر کرده پرواز
ای مرغ روان هم تو خود این خانه بپرداز

این خانه بپرداز بباغ دگری شو — در راه بدان باغ مرا هادی رهرو
کش بهره برد هم خور و هم خار ز پرتو — باشد که ببخشند ترا پرتوی از او
وان ساقی خورشید رخ جم گرو دمساز

در آینه جام رخ جم بنگارد — در جام جم آن خون سیاوش بفشارد
آن آب که چون آتش زردشت بپاید — وان باده به جام جم بکف مشت گذارد
یعنی که به دامن زردشت بکف باز

کو دین هری کینه ز زردشت ستاند — ور آب چو آتش اثر پاک فزاند
ز آنست که این آب بپستی بکشاند — زین پیش تو گویی که بپستی برساند
کامروز رسیدیم ازین دهر سبک تاز

از جم چو نشانی بجز از جام نمانده است — با جام بسازیم که سرانجام نمانده است
هرچند ز مردان بجز از نام نمانده است — در خاطر ما جز طلب کام نمانده است
ناکام تو پس آتش خشمم به تن انداز

گر باد دگر طرح سرانجام بیابیم — در ترک سری سرخ و لب جام شتابیم
امروز نه بی باده که بی باده خماریم — من بنده که چون لب قدح [illegible] جام

خورشید بکف دارم و شمع مرده ز ابراز

بر کشور ما تیرگی آورد چنان دست کامروز ره نور بسیارهٔ جهان بست
اے باغ شهان گشت قدم خار و خسان خست آغاز چنان عالی و انجام چنین پست
این سحر چنان خاست از آن کوکب اعجاز

ما ناخلفانیم از آن تیره نشانیم از راستی اینک بکجی خیمه کشانیم
خونش چو زند دل که دگر جان بفشانیم ناچار همان آتش باید بنشانیم
جان باز نیارد و شد جز مرد سرافراز

اے تازه گهرها که درین کان جهانید چون غنچه بدان پردهٔ آینده نهانید
چون از پے ما پاے بر این خاک فشانید این تیرگی از دورهٔ ما بستانید
آن نور بجوئید که بود است در آغاز

چون آتش بے نور ز زرتشتی نشان خاست شد اهرمنی دودش در چشم هنر است
با این همه شمعے گر از این ظلمت شب کاست آن برق شهابی ز سماء هنر ماست
هان پند بگیرید ز بشنیدن این راز

زان پس که نماند بجهان هیچ اثر ما در خاک شود پے فگن خلق سر ما
تا تاج سر ما گردد این خاک در ما زنهار نگیرید ز ما جز هنر ما
باقی همه عفریت فنا را بود انباز

تضمین دو بیت ادیب پیشاوری

ز ساقی که لب پیش دارد مرا — شکر خواستم کز لب آرد مرا
یکی جام آغشته شیرین شکر — چو آن نظم استاد صافی گهر
سخن سنج دانا ادیب سترگ — که پیشاور از نام وی شد بزرگ
شگفت است لبهای چون رطب — همی خواند با من از آن تشنه لب
بیاموز خوی لب آفتاب — "بهر جا که ویرانه بینی بتاب"
شنیدم سخن گوش من کام شد — گشاینده ز هر لفظ صد جام شد
شدم مست چونانکه دریای کی — پر از موج دیدم در ایوان کی
بدیدم سر و تاج جمشید را — فروزنده رخسار خورشید را
بکاوس و زنگ و دیدم چرخ بلند — نشسته بر آن خسروی ارجمند
تو گفتی که خورشید تخت است و شاه — فروزنده تر دارد از خود کلاه
ز مستی نقش دست بردم به تخت — نیاشفت از این خسرو نیک بخت
یکی گوهر از تاج روشن بزیر — رها کرد و گفت ای فرودی بگیر
چو بگرفتم این بیت دیدم بجای — هم از گفت دانشور نغز گوی

"هر آن کو ز دانش برد توشه‌ای
جهانیست بنشسته در گوشه‌ای"

آقاے حمید علی کمالی اصفهانی

جشن فردوسی

جهان پر نشاط است و شادی و جوش ‏ ‏ ‏ نشاید سخن گوے ماند خموش
بویژه که این جشن ملی بود ‏ ‏ ‏ سزد هرچه از آن ستایش بود
گر این جشن را ریشه خواهی نخست ‏ ‏ ‏ بگویم که چون سرزد و از چه رست
بوقتی که ایرانیان را نژاد ‏ ‏ ‏ تبه خواست گردیدن ارج و نژاد
یکے مرد گوینده آورد طوس ‏ ‏ ‏ که آراست روے سخن چون عروس
حکیم و دل آگاه سنجیده گو ‏ ‏ ‏ خجل آب حیوان بر طبع او
بلطف معانی و گفتار نغز ‏ ‏ ‏ جهان را بطیب گل آگند مغز
پے نظم گفتن چو آغاز کرد ‏ ‏ ‏ ز فردوس گفتی درے باز کرد
پر از راے و مردی سخنهاے او ‏ ‏ ‏ سخن جامه زیبد به بالاے او
ز گفت تو آئین بجاے نشست ‏ ‏ ‏ که کس را بدان جا دگر نیست دست
سخن هرچه بود از نیاکان ما ‏ ‏ ‏ ز مردان جنگی و شاهان ما
ز طرز جهانداری و بسط خاک ‏ ‏ ‏ ز داد و دهش ها و آئین پاک
ز افسانهاے غریب و شگفت ‏ ‏ ‏ کزان چند دانا توانند گرفت
ز گفتار و کردار متروک و خوار ‏ ‏ ‏ که اکنون بدان ها کنیم افتخار

بیاورد در نظم یکسر شهید — بدل داد ایرانیان را امید
بسی سال برد اندر آن کار رنج — به عشق وطن نه بامید گنج
برفتم چه آن گفتها کرد یاد — بدان نام میمون شهنامه داد
ز فردوسی اکنون بگیتی سخن — بماند است هرگز نه گردد کهن
کنون جشن سال هزاره است — همه ملک سرگرم کار وی است

الا ای سخن گوی دانای طوس — زمانه بمرگ تو دارد فسوس
خطا گفتم این گفت نه چون منی است — که زی تو هیچ مرگ را راه نیست
تو آن پر هنر مرد گوینده ای — که تا پارسی هست تو زنده ای
قلم گیر تا جمله گویندگان — بخیل تو آیند چون بندگان
گرت شاه محمود دل رنجه کرد — ز کردار او دل ترا گشت سرد
از آن عهد تا پنج بعد از هزار — بایران بیامد یکی شهریار
ابا آهنین عزم و رای قوی — شهنشاه بیدار دل پهلوی
که تاج و نگین بالد از نام او — ستاره بچرخد مگر کام او
از آن پیش که ایران پر از فتنه بود — ز ناایمنی هر طرف شر بود
فراوان بهر جا بد آشفتگی — نفس ها گرفته ز دل تنگی
بجنبش ز هر گوشه گردنکشی — بجز در خرابی نه بد کوششی
بعزم قوی کارها کرد راست — بکوبید هر سر کز آن فتنه خاست
همه کارها زو گرفته نظام — برون خودسری شد ز ایران تمام

سر افگنده هر کس پی کار خویش — برفت از پی سود بازار خویش
چو اینگونه هر توسنی رام شد — بفرمانش هم ملک آرام شد
به پست و بلندی هر کار دید — نخست آنچه بایسته بد برگزید
پی اخذ تعلیم و بسط علوم — جوانان شایسته زین مرز و بوم
فرستاد آنجا بپای فرنگ — که بی علم مردم نیرزند سنگ
بفرمود ایرانیان را تمام — که سالی دو مانند اندر نظام
ازین راه شاهانه شد زورمند — چو اسپی که بارش بپیرست تژند
کنون بزر را گاه افشاندن است — سپس کام از حاصلش راندن است
بکی باش تا میوه آرد ببار — مر این تخم کافشاند این شهریار

بناهای زیبا بس ایجاد کرد — هر آن جا که ویران بد آباد کرد
بفرمود تا خانهای خراب — بکوبند و سازند طرز صواب
مجلل ترا خواست آرامگاه — که جبران کند کار شه باز شاه
چو میل شهنشاه ملت بدید — بعشق تو و میل شه بگروید
بزر اندر آن کار امداد کرد — هم از جشن تو قلب خود شاد کرد
کنون از پس تو بسالی هزار — کمالی بدین گفته‌ها استوار

بسوی تو خواهد که ره جویدی
بگو همچنین گفتمم دو بیرسی

خوانند بهار مهرگان را

ای عنصر جاودانه‌ای که خود را | ز اعصار خجسته می شماری
انصاف بده که گر نمیرد تا | از عدل چه بی‌خبر نمایی
ور ما بعقب نهیم و عهد وسطی | هرگز نبد این سیاه کاری
آفاق که جنبشی بیابد آ | گر عمر دهی نمط گذاری

وحشت کده می‌کنی جهان را

بر خود ز تمدن ار بنازی | بگذاشته بصد خط و خال
دانا همه داند اینکه دامی | در آن تو نهاده بهر حال
چون ساقی خوب رو که جامی | پر کرده تو ز زهر قتّال
اینکه که بجادوئی تمامی | گفتار نکو و زشت افعال

زین راه کشی تو کی عنان را

گرچه بقرون پیش دانم | این فتنه و شور در بشر بود
آخر ز سادگی در آنهم | گه پرتو مهر روی بنمود
آن مهر گرفته ترک عالم | وین طرفه که حالی است خوشنود
وه دل بنگر قدم از این غم | کاین عهد گرفته اند مسعود

خوانند بهار مهرگان را

یک وادی هولناک غدار | کش تشنه نیست جز خون
با نام حقوق و عدل زنهار | آراسته برنگ و افسون

چون شاهد دل کشش بیازار — در جلوه بیاوری همی چون
ای کاش که پرده می شد از کار — تا چند زنی تو قفل وارون
بوشی بچه زنگ آسمان را

ای هیئت اجتماعی آورخ — کز توست چو داغ بر جگرها
آغشته بخون دیده ها رخ — سازی پسران بی پدرها
نه کار نکوه را ای فرخ — در تو نگرند با بصرها
بر گفت منت چه نیست پاسخ — در لب شکنیم این گهرها
پس خوب به بندیم زبان را

هر چند نگیسه بر کشی سر — و اسرار جهان همه بجویی
دشمن به تو من شوم فزون تر — تا راه بدین طریق پویی
نه من که هزارها سخنور — خصم اند ترا ازین دو رویی
این خشم و ستیزها بدفتر — آزرده کنی توان که شویی
وانگیست که نیست مرهم آن را

گر نیک بجویش بنگری هان — با فکر عمیق و رای روشن
بینی ز نمدن فرشتگان — والهی تو چهر لکه با بدامن
وحشی منشی گزین که چندان — خصم منشش از بهانه کی من
با این رخ خوب و لعل خندان — بس خون که گرفته بگردن
ز آشوب جهل و مے زبان را

ای مرغ اگر چه ای خوش آواز — زین نغمه ترا بر دو خنجر ،

جز طبع کمالی سخن ساز　　کان نفع تمیز ندهد از ضرر
با تو نبود کسی هم آواز　　بیهوده مکن برون سر از پر
بگذار ز سر هوای پرواز　　کاین راه مخوف هست دیگر
ترسم که نبینی آشیان را

زاین نغمه شکر گر نیابند　　حلقوم ترا به تیغ فولاد
ز ره مهر و سوی وفا گرایند　　از سر بنهند رسم بیداد
پیرانه به پند لب کشایند　　چون مرد کهن بطفل نوزاد
مشنو که غمی بنغمه فزایند　　از این سخنان سست بنیاد
پوشند بکار پرنیان را

تو بی‌خبری بکنه گیتی　　ز اسرار وجود هر چه خوانی
طفلی که کند هنوز تاتی　　داند چه رموز آسمانی
در سیر بشر سبک دوی　　این کشمکش است جاودانی
با غائله حیات آری　　رمزی است نهان که تو ندانی
زین فکر عبث مکاه جان را

پیام وطنی

ای کشور جم چنان گشته خراب　　کآبادی تو کس چو آن بیند بخواب
گویند اهل فکر که اصلاح حال تو　　شاید ولیک نیست طریقی جز انقلاب

من نیز بلبلی که ازین خون بهیچ روی — در عرض مردمان تو نتوان نمود باب
باشندگان کشور سیروس و داریوش — افسرده اند فاسد از شیخ تا شباب
اخلاق فاسد از همه سو بسکه موجزن — چون تشنه است طالب اصلاح در سراب
گیتی جبله گشته و ما همچنان ز جهل — در خواب غفلتیم و نگیریم از آن حساب
ما از زمانه پند نگیریم اگر سزا — خود را چگونه عرض نماییم باشتاب
این کهنگی بمرگ کشد ما علی الیقین — دیگر جهان گریز نباشد بهیچ باب
تا خود چه اختیار نمائی برای خود — من گفتمت اگر چه بود و نمودم ره صواب
ترسم که سر ز خواب برآریم آن زمان — کز جانب دگر زده سر باشد آفتاب
پنجاه بار گردش گردون بمن گذر — کرده ز من شنیده گهی ناله که عتاب
تا آخر سیاه بختی ما کی سر آیدی — هر دم سپهر کرده ندارم یکی جواب
پس آسمان و جبل نباشد بکام ما — راحت اگر بریم بگیتی و گر عذاب
هر تخم کان نگشته همان نیز بد دهیم — بیرون ما نیاید از بیضهٔ غراب
نشستیم با دراو برهیدند دیگران — زین طرفه تر که هیچ ندارم اضطراب
با مفتخوار و جاهل و بیکاره آن کنند — مردان کار کان ننمایند با دواب
برجسته مردوار میان بند اگر حیات — خواهی و پا گذار دلیرانه در رکاب
آن را که مهر و درد وطن نیست گو بمیر — زان کشتن بمغز رواست و خرد نیست و ثواب
اصلاح کن نخست خود را ز عیب و پس — اصلاح ملک خواه و شوی تا که کامیاب
کوتاه کن کمالی و لب از سخن ببند — وز چهرهٔ حقائق خوبیش کش نقاب
گو را النشستم از بزم اندر چه سود — آید اگر کشاده شود سیر حجاب

ویرانی ایران

چند بباید نشست و بود نگهبان ... دید تو ویرانی و خرابی ایران

دو که بتحمل ز حد گذشت و صبوری ... بیشتر از این نگاه کردن نتوان

کشور سیروس گشته ملعبهٔ جنت ... ناکسان و جاهل بغرض و مغرض و نادان

ریخت بخاک آبروی خانهٔ کسری ... رفت بباد افتخار تخمهٔ ساسان

یک ده آباد در کنار خزر نیست ... گر تو ببینی ورست تا لب عمان

رفت بتاراج مرز و بوم کشاورز ... زو اثری نیست غیر کلبهٔ ویران

بالله اگر دل نهی بکاخ زراندود ... گر تو ببینی سیاه خانهٔ دهقان

ملک خراب این چنین نه ما شگفتا ... دست نداریم باز ما ز سر آن

از پی امید یک دو روز وزارت ... چشم بپوشیم از خدا و ز وجدان

تا که ببینی همه دلیر به تهمت ... تا نگری جمله چیره دست به بهتان

آخر از این حزب و دسته‌های سیاسی ... گر ز پس هم می نهند پای بمیدان

بهره چه بردیم ما و ملک چه دیده است ... غیر نفاق و خلاف حال بسامان

بلکه کنون به تیره بختی ما نیست ... گر تو ببینی ز خدا آشکار و به پنهان

بیشتر از آن که این اساس بخوابد ... هستی ما بر کند ز بیخ و ز بنیان

باید از این دسته‌ها یکی کشاید ... دست دگر دسته را بجوید زندان

گیرد از آن پس سیاست و دولت راند ... در همه ملک بی معارض و فرمان

خواهد اگر کند کار راستی ملک و نگردد ... از ستم و قبح عمرو زید پریشان

یا نه باید که رادمردی آگاه — داهی و خسرو پرست خیزد از ایران

از پی اصلاح کار آخته شمشیر — بهر رهائی ملک بر زده دامان

با قلبی سخت‌تر از آهن و فولاد — کش نتوان دست یابد اجنبی یاران

در همه حالی چو کوه ثابت و محکم — کان نشود وقت کار پیچ هراسان

ور که بجا نیست این چنین هنری مرد — تا برهاند مر این سفینه ز طوفان

باش کمالی صبور زانکه نباشد

دردی در روزگار نا شده درمان

آقای بدیع الزمان خراسانی

ایران دیروز - ایران فردا

از چیست که این ابر تیره فاست؟ — وین تیرگی سپهر از کجاست؟

این ابر فشانده دود و دم — آوخ ندانم که از چه خاست؟

بارد همه بر خاک نفط و قیر — این بارش آن ابر دودزاست

پیشانی جهان داشت روشنی — آن چهره روشن سیه چراست؟

می تافت از او فر ایزدی — آن فره یزدان چرا کجاست؟

افتاده سپاهان شکسته دل — در گله سیه گرگ در چراست؟

سفله یابد به صد خرمی فرپس — آزاده به صد رنج مبتلاست
گویی که یزدان شده است چیر — وین تیرگی از دیو تیره زاست
ایرا که بدو یافته ظفر — شاد است و به بازی درین فضاست
خواهد که ز گیتی برد فروغ — کز دیو همه تیرگی سزاست
یازیده چرا دیو زشت دست — یزدان اگر امروز پادشاست
پذرفته چرا پیش دیو پست — فرمانش اگر بر جهان رواست
یزدان اگرش نیست انبسر — اهریمن اگر بر جهان کجاست
تابنده اروپا ز روی چیست؟ — تاریک چرا کشور آسیاست؟
گر چرخ برآورد بازیی — بشکیب که گیتی نه دیرپاست
نقشی که کرد این نگارگر — ناپایتر از نقش سینماست
فرداست که سرتاپا خوش است — ایران که کنون گه بلاست
پاشیده به هر ملک تاک خون — بگرفته ز بس شاد بار در سماست
وآن را که ز فرمان بتافت سر — دریده به شمشیر چون گیاست
شوید ز جهان باز نقش کفر — این ملک برآید که ستماست
زانگه که فروتافت نور مهر — این مهر پرستنده خداست
وین رو که پذیرفت دین حق — زانکس که پدر فخر انبیاست
آن پاک پیمبر که روی او — آیینه رخسار کبریاست
آن پرتو گفتار احمدی — زی دین خداوند رهنماست
مانند جهان تا فروغ دین — پیوسته در این ملک با بقاست

زودا که همان تیغ آتشین را — در کشتی این ملک ناخداست
دیوی که نه آن کاویان درفش — در نیم جهان برشده لواست
تو باده ایران بود بزرگ — گر پیش تو بی پایه کم بهاست
در کهنه جهان ای شگفت نیست — هرسو که نه در وی نشان ماست
این ملت آزاده را هنوز — آثار بزرگیش پا بجاست
آن طاق بگردون کشیده سر — در بارگه تیسفون بپاست
وآن کاخ که گفتند بیستون — بر مردمی و کندآوری گواست
ویرانه استخر بین که نور — بالای فلک بیش و دو تاست
بر نیمه گیتی شده است چیر — این پایه اثر در جهان گواست
ای تازه جوانان پاک دل — کوشید که هان نوبت شماست
شاهیست یکی آسیا که خون — راننده آن نغز آسیاست
کوشید و نو آیین کنید ملک — کوشش ز شما و از ملک ماست
مرغی که نه کوشد به بال و پر — دریوزه گر مور دربدر است
دارید زبان راست چون دل — کاین رسم و ره مرد پارساست
پاس نیاکان کنید نو — زشت آنکه نه بر سیرت نیاست
در هیچ گفتار دیو هوش را — گر عزت ایرانیان هواست
کردارش همانند گفت نیست — ایراست که گفتار او هباست
آن دیو بیاموز چیست گو — آگنده سر از دیو کیمیاست
با ساده دل و دیو بدگهر — بگریختن از دیوتان رواست

کانهاست بخاک اندرون فرد — در ملک خدا یک جهان گهر است
با آن همه برگ و نوا که هست — بس مرد فقیر اگر بی‌نواست
بنشسته به زندان چرا غمین — آنرا که چنان باغ و گلشن است
ما راست کمی روز خوش ولیک — در کام همیشه تره اند و دواست
خیزیم که با آن کشیده تیغ را — کز تابش او فتاده هواست
همواره بود خصم زندگی — پیوسته با مرگ آشنا است
برنده رنج است و پنج ده — کاهنده و جان است جان‌فزاست
آریم بر آن با مراد خویش — کز خاطر ما تیرگی زداست

باید که تابنده باد و تو
این گوهر کشور کهن مراست

کوشش

که خواهد به گیتی شود سرفراز — بسی کوشد و چرخ نازد بناز
بجز کام اندر این پهنه جنگ نیست — چو پیش آیدش کار دل تنگ نیست
بچشم اندرون مرگ را آیدش — بجان و بدل خواستار آیدش
اگر آیدش سنگ خارا به پیش — که برتابدش رخ ز ارمان خویش
بود دل آهنین سنگ را — نسازد دگرگونه آهنگ را
جهان را بشادی نگوید سپاس — ز بخت بدش نیست در دل هراس

به پیش بلا کس چو سختی نه — ز خود یاوری خواهد از بخت نه
به مرد دانده بخت آفرین — نه با کس جهان مهر دارد نه کین
بکوشش گرا شاید ار تر نیست — جهان را به نزدیک او چاکریست
چو بخت نکوشید هنگام کار — بسا خوار مردا که شد شهریار
همان کش ز گیتی بر آورده گرد — نیاز آورد پیش کوشنده مرد
چو کوشش کند مرد سنجیده رای — بروزی دو بنشیش گردون گرای
ز گیتی بر آید ز بس ساده سپهر — فروزان شود تابش مانند مهر

بخورشید گفت اگر یافت است
بکوشش توان یافتن هر چه هست

میرزا علی اکبر خان دهخدا

اشعار حکمتی

در سلوکم گفت پنهان عارف وارسته ای
نقد سالک نیست جز تیمار قلب خسته ای
در گلستان جهان گفتم چه باشد سود گشت
در بهار عمر از ازهار حقایق دسته ای

از پریشان گوهران آسمان پرسیدمش
گفت! عقدے از گلوے مهوشان بگسسته ای

گفتم این کیوان ببام چرخ هر شب چیست گفت
دیده بانے بر رصدگاه عمل بنشسته ای

گفتم اندر سینه ها این توده دل نام چیست؟
گفت! اسرار نهانی قسمت برجسته ای

روشنی در کار بینی گفتمش فرمود نے
غیر برقے زادهٔ طاک فکر وانا جسته ای

جبهه بکشا کز گشاد لبت تا کم لبس مرا
جبهه بکشاده ای برابروے پیوسته ای

دل مکن بد پاکی دامان عفت را چه باک
گر شنفت ناسزائی گفت ناشایسته ای

گوهر غم نیست جز در بحر طوفان زاے عشق
کیست از ما اے حریفان دست از جان شسته ای

قطعه وطنی بسبک جدید

(۱)

اے مرغ سحر چو این شب تار بگذشت ز سر سیاه کاری

وز نغمهٔ روح بخش اسحار — رفت از سر خفتگان خماری
بگشود گره ز زلف زرتار — محبوبهٔ نیلگون عماری
یزدان بکمال شد نمودار — و اهریمن زشت خو حصاری
یاد آر ز شمع مرده یاد آر

(۲)

ای مونس یوسف اندرین بند — تعبیر عیان چو شد ترا خواب
دل پر ز شعف لب از شکرخند — محسود عدو بکام اصحاب
رفتی بر یار خویش و پیوند — آزادتر از نسیم و مهتاب
زانکو همه شام با تو یک چند — در آرزوی وصال احباب
اختر بسحر شمرده یاد آر

(۳)

چون باغ شود دوباره خرم — ای بلبل مستمند مسکین
وز سنبل و سوری و سپرغم — آفاق نگارخانهٔ چین
گل سرخ و برخ عرق ز شبنم — تو داده ز کف قرار و تمکین
زان نوگل پیش رس که در غم — ناداده بنوبهار تسکین
از سردی دی فسرده یاد آر

(۴)

ای همره تیه پور عمران — بگذشت چو این سنین معدود
وان شاهد نغز بزم عرفان — بنمود چو وعدهٔ خویش مشهود

وز تیغ زرد چو شد بکیوان ها — هر صبح شمیم عنبر و عود
زانگونه گناه قوم نادان — در حسرت روی ارض موعود

در بادیه جان سپرده یاد آر

(۵)

چون گشت ز نو زمانه آباد — ای کودک دوره طلائی
وز طاعت بندگان خود شاد — بگرفت ز سر خدا خدائی
ز رسم ادبیه اسم شد آزاد — گل بست دهان ژاژ خائی
زانکس که ز نوک تیغ جلاد — ماخوذ بجرم حق ستائی

پیمانه وصل خورده یاد آر

پیرزال از خانمان دور

هنوزم بگردد از این هول حال — چو یاد آیدم حال آن پیرزال
که میرفت و میگفت سیر از جهان — ربوده ز کف طالعش خانمان
بچشمم تو این خانه سنگ است و خشت — مرا قصر فردوس و باغ بهشت
چه ارزد به پیش تو گشت سیم — مرا خویش و پیوند و یار و ندیم
بهر خشت آن باشدم صد هزار — پر از آرزوها و یادگارها
بهر سنگ که اندر نظر نا دیدم — بهر گوشه صد داستان یادم
کشم رخت از آن هیچ پس من بیرون — که بابم درین خانه بگذاشت خشت

در این خانه ام بود ساز و سرورها
ز دیگر سرا چون کنم ساز گورها

پروین خانم اعتصامی طهرانی

قلب مجروح

دی کودکی به دامن مادر گریست زار
کز کودکان کوی به من کس نظر نداشت
طفلی مرا ز پهلوی خود بی گناه راند
آن تیر طعنه زخم کم از نیشتر نداشت
اطفال را به صحبت من از چه میل نیست
کودک مگر نبود کسی کو پدر نداشت
دی روز در میانهٔ بازی ز کودکان
آن شاه شد که جامهٔ خلقان به بر نداشت
من در خیال موزه بسی اشک ریختم
این اشک آرزو ز چه هرگز اثر نداشت
جز من میان این گل و باران کسی نبود

کو موزہ اے بپاے و کلاہی بسر نداشت

آخر تفاوت من و طفلان شہر چیست
آئین کودکی رہ و رسم دگر نداشت

ہرگز درون مطبخ ما ہیزمے نسوخت
وین شمع روشنائی ازین بیشتر نداشت

ہمسایگان ما برہ و مرغ می خورند
کس جز من و تو قوت ز خون جگر نداشت

بر وصلہ ہاے پیرہنم خندہ می کنند
دینار و درہمے پدر من مگر نداشت

خندید و گفت آں کہ بفقر تو طعنہ زد
از دانہ ہاے گوہر اشکت خبر نداشت

از زندگانی پدر خود بپرس از آنکہ
چیزے بغیر تیشہ و بیل و تبر نداشت

این بوریاے کہنہ بصد خون دل خرید
رختش گہ آستین و گہے آستر نداشت

بس رنج برد و کس نشمردش بہیچ کس
گمنام زیست زانکہ دہ و سیم و زر نداشت

طفل فقیر را ہوس و آرزو خطاست
شاخے کہ از تگرگ نگوں گشت بر نداشت

نساج روزگار درین پهن کارگاه
از بهر ما قماشے ازین خوب تر نداشت

اندرزهائے حکمتی

چه خواب میکنی اے دوست وقت بیداری ست
بهوش باش که کار جهان سیه کاری ست
بپات رشته فگندست روزگار دسوز
نه آگهی تو که این رشته گرفتاری ست
به گرگ مردمی آموزی و نمیدانی
که گرگ را ز ازل پیشه مردم آزاری ست
نهفته در پس این لاجوردگون خیمه
هزار شعبده بازی هزار عیاری ست
سلام دیو مگیر و متاع دزد مخواه
چرا که دوستی دشمنان ز مکاری ست
هر آن مریض که پند طبیب نپذیرد
سزاش تاب و تب روزگار بیماری ست
بچشم عقل ببین پرتو حقیقت را
مگوے نور و تجلی فنون و طراری ست

اگر که در دل شب خون نمی کند گردون
بگاه صبح چرا کوه و دشت گلناری ست

بچابکی نتوان رستن از کمند قضا
پلنگ گرسنه مشتاق گاو پرواری ست

بدار دست ز کشتی که حاصلش تلخی است
بپوش روی ز آئینه ای که زنگاری ست

سپرده دل مفتون خود به معشوقی
که هر چه در دل او از تو هست بیزاری ست

بخیره بار گران زمانه چند کشی
ترا چه مزد بپاداش این گرانباری ست

فرشته زان سبب از کینه و بدی بی خبر است
که اقتضای دل پاک پاکانگاری ست

بلند شاخهٔ این بوستان روح افزا
اگر ز میوه تهی شد ز پست دیواری ست

تو خسرو تن خویشی چرا ستی محکوم
تحمل ستم ناکسان ز ناچاری ست

در آن دیار که دارو نی و پزشکی هست
اگر مریض بمیرد ز بی پرستاری ست

بدو کر شکست این سودگر معامله نیست

متاع او همه از بهر گرم بازاری ست
نه زهر شهد نه کج راستی طلب کردن
حدیث دیدن خورشید در شب تاری ست
گلش مبو که نه شغلش غیر گل‌چینی ست
غمش مخور که نه کارش غیر غمخواری ست
کدام شمع که ایمن ز باد صبحگهی ست
کدام نقطه که بیرون ز خط پرکاری ست
نه هر کسی که میان بست مرد میدان شد
بلندی است بسی کز بلند مقداری ست
بدان صفت که تو هستی دهند پاداشت
سزای کار در آخر همان سزاواری ست
عمارت تو شده است این چنین خراب ولیک
بخانهٔ دگران پیشهٔ تو معماری ست
بهل که هاتف کار سرنگون کند
بلندی که سرانجام آن نگونساری ست
ز سفله که جفا کردن است آیینش
ترا چگونه امید عنایت و یاری ست

آئین آئینه

وقت سحر بآئینه ای گفت شانه ای
کاو رخ فلک چه کجرو و گیتی چه تندخوست
ما را زمانه رنج کش و تیره روز کرد
خرم کسی که همچو تواش طالعی نکوست
هرگز تو بار زحمت مردم نمی کشی
ما شانه می کشیم بهر جا که تار موست
از تیرگی و پیچ و خم راه های ما
در تاب و حلقه و سر هر زلف گفتگوست
با آن که با جفای بتان بیشتر بهیم
مشتاق روی تو است هر آنکس که خوبروست
گفتا هر آن که عیب کسی در قفا شمرد
هر چند دلفریب و رو خوش کند عدوست
در پیش روی خلق بما جا و هست از آنکه
ما را هر آنچه اندر بد و نیک است روبروست
خاری بطعنه گفت چه حاصل ز بو و رنگ
خندید گل که هر چه مرا هست رنگ و بوست
چون شانه عیب خلق مکن مو به مو عیان

درپشت سر نهند کسی را که عیب جوست

زانکس که نام خلق بگفتار زشت گفت

دوری گزین که از همه بدنام تر هم اوست

زانگشت آز دامن تقوی سیه مکن

این جامه چون درید نه شایسته رفوست

از مهر دوستان ریاکار خوشتر است

دشنام دشمنی که چو آئینه راستگوست

پروین نخست زیور یاران صداقت است

باید نیازمود کسی را که دار دوست

مطایبهٔ فلسفی

عدسی وقت پختن از ماشی ، روی پیچید و گفت این چه کسی ست

ماش خندید و گفت غره مشو ، زانکه چون من زیاد و چون تو بسی ست

هر چه را می پزند خواهد پخت ، چه تفاوت که ماش یا عدسی ست

همه را یک ره است اندر پیش ، گر در اندر میانه پیش و پسی ست

جز تو در دیگ هر چه ریخته اند ، تو گمان می کنی که خار و خسی ست

نعمت من برای مقصودیست ، جست و خیز تو بهر ملتمسی ست

کارگر هر که هست محترم است ، هر کسی در محیط خویش کسی ست

قوت از دست میرو هشدار — عمر چون کاروان بی‌جرسی است
هر پری را هوای پروازیست — گر به بازوگهی مگسی است
جز حقیقت هر آنچه می‌گوئیم — باد هوسی و بازی هوسی است
چه توان کرد اندرین دریا — دست و پا میزنیم تا نفسی است
نه ترا بر فراز سیمرغی است — نه مرا بر خلاص دسترسی است
همه را بار بر نهند به پشت — کس نپرسد که فازیا فرسی است
گر که طاوس یا که کنجشکی
عاقبت رزق دامی و قفسی است

اشک یتیم

روزی گذشت پادشهی از گذرگهی
فریاد شوق بر سر هر کوی و بام خاست
پرسید از آن میانه یکی کودک یتیم
کین تابناک چیست که بر تاج پادشاست
آن یک جواب داد چه دانیم ما که چیست
پیداست این قدر که متاع گران بهاست
نزدیک رفت پیرزنی کوژپشت و گفت
کین اشک دیدهٔ من و خون دل شماست

مارا به رخت و چوب شبانی فریفته است
این گرگ سالهاست که با گله آشناست

آن پارسا که ده خرد و اسب رهزن است
وآن پادشا که مال رعیت خورد گداست

بر قطرهٔ سرشک یتیمان نظاره کن
تا بنگری که روشنی گوهر از کجاست

پروین بکجروان سخن از راستی چه سود
کو آنچنان کسی که نرنجد ز حرف راست

میرزا ابراهیم خان پورداود

رستخیز

برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است
هان دست ببر بگیر شمشیر
از گیسوی یار بند بردار
بشتاب که ترسمت رسی دیر
ای سست زبونی و درنگ است
برخیز ز خواب وقت تنگ است

بشتاب که روز رزم و جنگ است

تا چند زبان ز ظلم بسته ؛ ز آزادی خویش دست شسته
منشین بگوشه‌ای نشسته ؛ گر چشم نه کور و پای لنگ است
برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

تا چند خروش و آه و زاری ؛ زین پس نه سزاست بردباری
زین بیش نه در خور است خواری ؛ فرمان بردن ز روس ننگ است
برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

تا روس به ملک جا گزیند ؛ تا چند بگلستان نشیند
تا دشمن کیفرش نه بیند ؛ خود شهد بکام ما شرنگ است
برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

خوش آن باشد که تیغ آزیم ؛ اندر پیکار سر فرازیم
شمشیر ز خون سرخ سازیم ؛ چندیست که تیغ زیر زنگ است
برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

از بهر وطن بجان بکوشیم ؛ در رزم لباس یل بپوشیم
چون شیر دژم بهم خروشیم ؛ گر دشمن اژدر و پلنگ است

برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

گر دور شود ز جسم ما سر   افتد در خاک تیره پیکر
نه هیم ز چنگ تخت و افسر   تا در ترکش یکی خدنگ است

برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

المان ز پی ستیزه برخاست   دریا دریا سپاه آراست
از زور حریف زشتخو کاست   نه بیم و هراس در فرنگ است

برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

شد تیره چو خاک چرخ مینا   از دوده توپ کوه فرسا
سنگر بگرفت دشت و دریا   از برف و ز خون زمین خلنگ است

برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

شمشیر یلان در این تکاپو   آمد چو گمان و کله ها گو
لرزد دل شیر از نهیب آهو   هشدار که روز فر و هنگ است

برخیز ز خواب وقت تنگ است
بشتاب که روز رزم و جنگ است

بیلیلے

اے گروہ عشق بازاں بیلیلے — اے ہواداران ایماں بیلیلے
ست گرفتار ستم مام وطن — رحم بروے اے جواناں بیلیلے
خرمن امید از بیداد سوخت — آری از نو دانہ افشاں بیلیلے
بگسلاں اے مرد بند بندگی — پا بکش از چاہ زنداں بیلیلے
نیست مرد کار را در گیر و دار — بیم از این ترس از آں بیلیلے
ہر کہ را در سر ہوائے دلبر است — دارد اندر کف سر و جاں بیلیلے
گر بود بارند تیر از چپ و راست — رو نگرداند ز میداں بیلیلے
اے خوش آں مردے کہ بر بالائے دار — جاں سپرد ایران گویاں بیلیلے
توپ از ہر سو ہمی غرد چو رعد — تیر از ہر گوشہ پراں بیلیلے
غلطند اندر رزمگہ در خون خویش — نوجواناں صد ہزاراں بیلیلے
پیش ازیں مپسند ننگ خویشتن — زندہ کن نام نیاگاں بیلیلے
یاد آر از داریوش ار دشیر — زاں ہمایوں روزگاراں بیلیلے
الحذر زیں زندگانی ننگ و عار — مرگ بہ زیں روزگاراں بیلیلے
خانہ ما گشتہ آں دیو زشت — عرض ما از آں غولاں بیلیلے
گر شود امروز دشمن کامیاب — روز ما آید بپایاں بیلیلے
پور طہمورث بدر زنجیر را — بند با آں خیل دیواں بیلیلے

شیر شو از گله روبه مترس
گر توی از پشت گردان یلی

اندرز

جام می دلدار گذارید گذارید
پیشتر سلح بر بارید ببارید

نامه سخن صلح و سلامت ز کس امروز
از توپ سخن گوش بدارید بدارید

جنگ است و از آن دهد غلغله توپ
این پند گر انسان شمارید شمارید

رزم آمد و جوش آمد و شد موسم کینه
شمشیر شرربار برآرید برآرید

چالاک و دژم سوی هم آورد شتابید
دل را بخداوند سپارید سپارید

ننگ زندگی خرس سیه کام بر آید
تابوت و کفن زود بیارید بیارید

تا کالبد خرس بگوری مسپارید
از لاشه وی دست مدارید مدارید

بیاد مام و باب

تکیه بر زندگانی روا نیست
چرخ را رسم مهر و وفا نیست

چون حبابی شکسته بر آبیم
اعتمادی به بود و فنا نیست

کاروانی زما رفته از پیش — یک نشانه از آن و همراه نیست
بس عزیزان زما درگذشتند — جز دریغی از آنان بجا نیست
خانه‌ها گشته خالی از مام — اندر آن خانه زیب و نوا نیست
دودمان گشته مانده از باب — کلبه دال که در آن صفا نیست
کس نماند و است وما هم نمانیم — مرگ از زندگانی جدا نیست

پدر را حزن یکتا رفیقی است
بجز بهانه دلش آشنا نیست

دکتر محمود خان افشار

دو نارنج

دو نارنجم آورده پیوند روزی — یک از بوستان و یک از دلستانم
یکی را بود گونه اندوه و تختی — پرورده در بوستان باغبانم
یکی را ز صد ناز پا تا به سینه — فرستاده آن دلبر مهربانم
ببوییدم هر دو را شکر گفتم — یکی یاد آن خود یکی یاد یارم
نهادم یکی را به بالای سرخی — یکی را گرفتم بر پیچه باکم
پراکنده عطری و شوری و شوقی — یکی در وثاقم یکی در روانم

یکی را نیز هم خود رست گیرم   دمی سبز بو و نگاهی بر آنم
یکی را ز شوقی که دارم بپیش   ازین دست با دست دیگر ستانم
میان دو نارنج همرنگ و همبو   چه فرق است آخر ندانم ندانم
که یک را فزون است هم رنگ هم بو   به پیش مشامم بر دیدگانم
بپرسیدم احوال هر یک از آن دو   که گوید از خویشتن داستانم
بپاسخ چنین گفت نارنج اوّل   که من نازپرورده بوستانم
دگر گفت من نیز آیم ز بستان   و گر بیشتر زین بجوئی نشانم

مرا چیده اند آنجای دستی که دانی
فرستاده دست آن دستانم

زارع

پاینده باش زارع بدبخت رنجبر
ای آن که زندگانی ما در بقای تست
بدبخت خواندمت بخطا عذر من پذیر
خوش بخت زیر سایهٔ همچون همای تست
در نزد خلق اگرچه گدائی و بینوا
در چشم من تو شاهی و سلطان گدای تست
یک دانه زیر دست تو صد دانه می شود

هر شاخه‌ای که روید از آن اژدهای تست
دانی که خوشه از چه سر افگنده بر زمین؟
شکر تو می گذارد و اندر ثنای تست
از قحط و از غلا نه شود کار خلق تنگ
تا مشکلات در کف مشکل‌گشای تست
نیکی بخلق می کن و امیدوار باش
فردای رستخیز که نیکی سزای تست
گر مردم از رضای تو غافل نشسته اند
خوشنودی و رضای خدا در رضای تست
جان حقیر من نه بود لایق ثنا
ورنه ز روی صدق دل ار فدای تست

شب مهتاب در کوهسار البرز

شبی از نور مه چون روز روشن	فروزنده مه گسترده خرمن
تو گفتی آسمان طاقی بلند است	چراغ مه بر آن طاق است آون
دنیا مانند اقیانوس آرام	مه تابان بسان "پرتو افگن"
همه سیارگان بر گرد آن ماه	درخشنده ولی چون شمع سوزان
نژند و لاغر و پژمان و بیرنگ	چراغی را مثل کش نیست روغن

ثوابت چون هزاران شمع کم نور — که عمداً بر فروزی روز روشن
نیارم وصف آن شب کرد زین بیش — فصاحت را بود عذری معین
منوچهری اگر می بود می گفت — زبان من بود در وصفش الکن
چنان فرخنده شب را گر ببینی — همانا می شوی دیوانه چون من
بباید دیدن آن شب را که گویند — "شنیدن کی بود مانند دیدن"

مرا بیرون ز ری در پای البرز — کنار چشمه ساری بود مسکن
گزیدم بر ستیغ کوهساری — چو کبکی بر سر سنگی نشیمن
ندانم کوه را امشب چه حال است — که اشک از دیده اش ریزد بدامن
خروشان است و گریان است خندان — گهی شادی نماید گاه شیون
برقص آمد در آنجا کلک بیجان — مرا زاینده شد طبع سترون
در آن مهتاب شب بر یاد ایران — شدم بر صفحه کاغذ قلمزن

نگاهی کردم از بالا بپایین — وطن را دیدم اندر چه چو بیژن
شدم نومید و در نومیدی خویش — مرا آمد بدل یاد "تهمتن"
گذشته درس امیدی بمن داد — بدیدم در کران آینده روشن
شدم گویی بخواب اندر که دیدم — کشیده سر بسر خطهای آهن
ز دریای خزر تا بحر عمان — ز مرز هند تا سرحد ارمن
ز یک سو بسته دیدم سد کارون — ز دیگر سوی بس کاو و چاه معدن

چو از اندیشه سختے باز گشتم نگاهے دیگر افگندم بمیهن
بطهران اندرون کردم نگاهے
بدیدم گلخنے بر جاے گلشن

دکتر رضازاده شفق

بیاد پدرم

بگو ناصح مده پندم، گذشت از کار کار من
حدیث عشق کوته کن که رفت از دست یار من

بروز بیکسی همسایهٔ من سایهٔ من بود
ولے آنهم ندارد طاقت شبهاے تار من

خرد گوید توانا مرد باید زنده دل گردد
دریغا دل ربود از من عنان اختیار من

بخواب کودکی قدر صباوت را ندانستم
کنون بینم که خوابے بوده خوشتر روزگار من

بکاخ غم چو مرغ تیر خورده آشیان جستم
فغان کرد آشیان از ناله هاے بیشمار من

بہار عمر ایام جوانی بود صد افسوس
گلے ناشگفتہ پامال خزان شد نوبہار من

کتاب عمر شرح جانکنی ہائے من و دل شد
گہے من در فشار دل گہے دل در فشار من

کنون گمنام و بےخود زیستن خواہم کہ پنہاں شد
بہ زیر خاک پا نام بخشش نامدار من

بیاد وصل تو بر کشور بیگانہ خو کردم
بامید رخت یارا صبوری شد شعار من

دمے وارستہ از امید و پندارت اگر بودم
گرفتار غم و رنجم نماید کردگار من

بروز ہجر تو دل با قرار وصل خوش کردم
چہ بہ پنہاں شدم افسوس بہ من قرار من

نہ بے مہری شعار تو، نہ غفلت پیشہ من بود
ندانم ظلم تقدیر است یا ظلم دیار من

دلا رفتی و در ہجر تو دلداری از آن جویم
کہ بہر عشق رفت و مہر و دار و ندار من

صبا گر از وفا روزے سر خاکش گذر کردی
بنہ بہر خدا برگ گلے روئے نگار من

مہیں پروردگار من دل ما در بدست توست

دل ما در بدست تو حسین پروردگار من
الهی آتش عشقت فروزان تر شود هر روز
ز عشقت بر نگردم گر بسوزد پود و تار من

بیاد برادرم

روزها تار و دل آزار شد اندر غم یار
تو که جانکاه و دل آزارتری ای شب تار

مردم و مور و دد و دیو بشب آسایند
دل دیوانهٔ ما بین بدل شب بیدار

پرسم از چرخ که تا چند بسوزد و بخروش
پرسم از دهر که تا چند مرا بیند و کجدار

چرخ بیدل کند از دور اشارت که خموش
دهر بی عاطفه گوید برادرت ز نهار

بنگه غم دید دلم گشت بغم گوش بزنگ
این دل تنگ چه انگشت حنائی زنگ شمار

شد ز بخت مرا چهره تقدیر گرفت
من بیچاره و چار غم ز خم سه چهار

سوی ویرانه شوم یا که پی پیر مغان
ره میخانه روم یا که به بندم زنار

یا که داروی شفا مسئلت از شیخ کنم
یا که از پیر طریقت بکنم استغفار

تا مگر باز نمایند معمای جهان
تا مگر رفع شود پرده ز روی اسرار

آن گل چهره که با خاطر خندان دیدم
گشته امروز خدایا ز چه مثل گل خوار

آه ای یار که رفتی تو چنین نابهنگام
نوز از عمر جوانی نشده برخوردار

مگرت با من دیوانه نبودی پیمان
این چه پیمان شکنی بود دلا این چه قرار

یاد باد آنکه مرا با تو چه همدردی بود
هر دو بودیم همی همقدم و هم اسرار

کو درین ملک یکی چون تو رفیق صادق — تا که پیش تو کنم درد دل خود اظهار
شده در کشور ما رسم صداقت متروک — شده دلها همه از مهر و محبت بیزار
از چه این گونه مرا ترک نمودی بیکس — وز چه ای یار مرا ترک نمودی بی یار
یاد ایام صباوت که چه خوش دوره بود — بود ما را هوس بازی طفلانه شعار
یاد ایام سرور و شعف نوروزی — سحر باد بهار و اثر باد بهار
آه بودیم چنان بی خبر از بازی چرخ — هیچ ما را نبد اندیشه ز چرخ غدار
بلبل افسانه همی خواند چه خوش در بستان — نی شنودیم چو پروانه چه خوش در گلزار
وچه زیبا پر و خوش رنگ بد آن پروانه — که پرانشگه گلی گشت نمودیم شکار
شاید این آتش غم از اثر آهش بود — که گرفته است کنون خرمن عمر من زار
یاد باد آنکه بد از شور جوانی ما را — سر از اندیشهٔ آزادی ایران سرشار
غم بیچارگی و شادی اقبال وطن — بود ما را هوس و مشغله لیل و نهار
آه از آن روز که شد مام وطن خوار و پریش — زیر پای ستم دشمن شوم غدار
سر مردان هنرپرور ایران گردید — هدف کینهٔ سرنیزهٔ سرباز تتار
بس فزون گشت به یاران ستم گوناگون — کشته گشتند عزیزان وطن بر سر دار
چه بگویم ز شکنج و غم بیچاره پدر — چه کنم قصه ز رنج و محن مادر زار
از سر گفتن این قصهٔ جانکن بگذر — شرح این حادثهٔ شوم مپرس و بگذار
آه و افسوس ندانم بکه میگویم راز — من که اندر پی زنجیر خاک نه بینم آثار
دل خوش یاور خود باخته در بیم و امید — مهر بد چرخ بدور سر خود چون پرگار
بس کنون گشته دل از همه اندیشهٔ خام — آخر ای خون شده دست از من بیچاره بدار

سینه‌سینه این مایه غم و یاس و فغان نیست روا — این جهان گذرانرا نبود هیچ انگار

پدر پیر فلک دیده ازین درد بسی — مادر گیتی هم مرگ جوانان بسیار

کس نچیده است درین مزرعه یک جو بی غم — کس ندیده است درین گلشن یک گل بی خار

لاجرم زیر سپهر گیتی گردان سر پست — گردش این فلک پیر تو بازی مشمار

کنه این مسئله را نبود فکر دقیق — غور این بحر رسیدن نتواند بسیار

گرچه با خاک قرین گشت تن یار عزیز — هوش و جان و خردش خاک نگردد هشیار

مهر و خوش گوئی و لب خنده جان پرور او — نغز گفتار و سخن سنجی و یار یک انگار

کرم و خوبی و انفاق و وفاداری و صدق — بره عشق گذشتن ز خود و دار و ندار

این ز اوصاف و ان است که جا جا پیداست — اثر لمحهٔ جان است ورا نیست و بار

پس تو ای یار وفادار که گشتی نابود — گرچه از دیده نهفتی نشدی گرد و غبار

پس ازین در غم رشتهٔ تو شکیبا گردم — در فراق تو بنجه و شیمه کنم صبر و قرار

روزها می‌شمرم در غم وصلت دایم — تا به امان وصال تو رسم روز شمار

لنگلی در چمن و دشت چو رود تنها — یا که بر شاخهٔ گل نعره سرایم چو هزار

غم تنهائی و عشق تو بود در دل من — میکنم یاد تو نام تو نمایم تکرار

بر سر آب روان و سر گلشن چو رسم — روش و راز روان تو کنم استخبار

بیشتر آنکس ترا از دل یاد رحم کنم — آن دل خسته و خون گشته ز رنج و تیمار

مهر و دلداری او پیشه کنم همواره — غم او را بدل خویش نمایم هموار

بر و ای یار که فردوس مکانت بادا — باد همواره روان تو غریق انوار

گرچه زین نشئه گذشتی و دل ما بردی — پس ازین نشئه بود نشئهٔ دیگر ناچار

سید اشرف الدین الحسینی رشتی

شرح حال خود

گوش کن شرحی ز احوال نسیم　　تا نمائی گریه بر حال نسیم
بنده در قزوین بدنیا آمدم　　چندی از بهر تماشا آمدم
بد مرا یک پیر نورانی پدر　　مادرم از عترت خیر البشر
اشرف الدین کرد مادر نام من　　ریخت شهد معرفت در کام من
رفت بابم سوی جنات النعیم　　من شدم شش ماهه در قزوین یتیم
در یتیمی خانه ام را شیخ برد　　ملک و مالم را ز راه غصب خورد
زاهدان بس خانه ها را خورده اند　　هستی بیچاره ها را برده اند
من شدم دیوانه از غوغای فقر　　در بدر گشتم ز استیلای فقر
در جوانی با هزاران ابتلا　　رفتم از قزوین بسوی کربلا
مدتی در کربلا و در نجف　　معتکف بودم بصد وجد و شعف
بر سرم زد باز شور ملک جم　　آمدم از کربلا سوی عجم
باز از قزوین بچشم اشکبار　　جانب تبریز گشتم رهسپار
پیش استا خواندم اندر مدرسه　　هیئت و جغرافیه و هندسه

صرف و نحو و فقه و تفسیر و کلام ،
در هزار و سی صد و بیست و چهار
کردم ایجاد این نسیم نغز را
چون بطهران پارلمان تأسیس شد
بعد چندی از تقاضای زمان
گشته گردید با خوف و خطر
در ولایات انجمنها بسته شد
سال غشکو (۱۳۲۶) انبساط روح شد
باز در گیلان هویدا شد نسیم
در هزار و سی صد و سی شاه روس
سال غشلب (۱۳۳۲) جنگ عالمگیر شد.
منقلب گردید اوضاع فرنگ
آتش اندر جان بدبختان فتاد ،
از هجوم بلشویک داد خواه ،
قحطی سختی که صبر از دل ربود ،
در حساب ابجدی هم بی دروغ
در هزار و سی صد و سی هفت باز
لیک دنیا باز درهم برهم است
گرچه صلح می خواهند لیکن صلح نیست

جمله را یک دوره خواندم والسلام
چونکه شد مشروطه این شهر و دیار
قسط بخشیدم ز بویش مغز را
جنگ جن با لشکر ابلیس شد
شد حیاط پارلمان بمباردمان
"صور اسرافیل" با جمعی دگر
در مجامع هم دهن ها بسته شد
بار دیگر پارلمان مفتوح شد
مرد و زن را روح بخشا شد نسیم
حمله ور گردید سوی ارض طوس
شهرها بمباره و تسخیر شد
غرق خون شد جمله اقطاع فرنگ
پادشاه روس از تخت اوفتاد
نیکلاه روسیه شد بی کلاه
در هزار و سی صد و سی پنج بود
ماده تاریخ قحطی شد شلوغ (۱۳۳۶)
باب رحمت شد بروی خلق باز
در فرنگستان بساط ماتم است
کس نمی داند علاج کار چیست

شرح آن قحطی و آن رنج و عذاب
با اشاره درج شد در این کتاب

عاقبت ایران

میشود دنیا بکام اهل ایران ای نسیم
آفتاب معرفت گردد درخشان ای نسیم
می نماید شادمانی هر مسلمان ای نسیم
نور باران میشود این شهر طهران ای نسیم

از فضای لامکان باد بهشتی میوزد
دشمن اسلام از حسرت همی لب میگزد
بلبل قدس الهی بر سر گل می خزد
پهن می گردد بساط عیش خوبان ای نسیم

از معارف دور می گردد ز سرها وسوسه
کودکان مشغول تحصیل حساب و هندسه
میشود ایجاد در هر کوچه‌ای یک مدرسه
نقشه جغرافیا در دست طفلان ای نسیم

مزرع بی آب دلها آبیاری میشود
چشمه‌های علم در این خاک جاری میشود
شیخنا دق میکند ظالم فراری میشود
مرد و زن لذت برند از علم و عرفان ای نسیم

مادران در تربیت مشهور دوران میشوند
کودکان در مدرسه با علم و عرفان میشوند
دختران از معرفت شیرین تر از جان میشوند
میشود هر کوچه‌ای پر حور و غلمان ای نسیم

بعد از این بیگانگان از مرحمت گردند خویش
آب مینوشند در یک چشمه با هم گرگ و میش
مؤمنین را هیچ دیگر غم نمی آید به پیش
میدهد روح القدس بر مرده‌ها جان ای نسیم

مرده‌ها از قبر برخیزند با وجد و سرور
یعنی امروز است بهر شیعیان یوم ظهور
با کفن بیرون جهند از مقبره اهل قبور
روشنائی افتد در سطح امکان ای نسیم

عقل‌ها و روح‌ها و مغزها یکسان شوند
و آنکه این بیچاره حیوان‌ها همه انسان شوند
میشود دیو جهالت کشته در کو و الها
خوار میگردند این بیکارها رتّالها
خاک تخت خیر ایران تاج دنیا میشود
عارفان را جای تفریح و تماشا میشود
راه آهن میکشند آخر قطار اندر قطار
بس دگر قحطی نمی‌بیند درین شهر و دیار
در فرانسه جلوه گر گردد قدر عثای صلح
صیغهٔ (صالحت) میخوانند در معنای صلح
شاعران طاهر ز شهر دامغان خواهد شدن

از ظهور علم مشکل‌ها همه آسان شوند
این نفاق و اختلاف آید به پایان ای نسیم
میدهد تفسیر (علم و عقل) بر احوال‌ها
ساحر و جن گیر هم گردند پنهان ای نسیم
اندرو هر علم و هر صنعت نمایان میشود
متصل میگردد این قزوین و گیلان ای نسیم
آب شیرین میچشند این ساکنان ره ار
هر گدای می خورد مرغ و فسنجان ای نسیم
میشود دنیای کهنه بعد ازین دنیای صلح
آمریک و انگلیس و روس و آلمان ای نسیم
گنجها پیدا ز خاک طالقان خواهد شدن

مغزهای کهنه مثل استخوان خواهد شدن
میشود دنیا بکام نوجوانان ای نسیم

غزلیات

ملک الشعرا بهار خراسانی

(۱)

شمعیم و دلی مشعله افروز و دگر هیچ — شب تا بسحر گریهٔ جانسوز و دگر هیچ
افسانه بود معنی دیدار که دادند — در پرده یکی وعدهٔ مرموز و دگر هیچ
حاجی که خدا را بحرم جست چه باشد؟ — از پارهٔ سنگی شرف اندوز و دگر هیچ
خواهی که شوی در هنر استاد زمانه — در مکتب دل عشق بیاموز و دگر هیچ
روزی که دلی را به نگاهی بنوازند — از عمر حساب است همان روز و دگر هیچ
زین وسعت چه خواهی که ببین پیشه و دانش — گهواره تراشست و کفن دوز و دگر هیچ
از مدرسه هرگز مطلب علم که آنجاست — لوحی سیه و چند ره آموز و دگر هیچ

خواهد بدل عمر بهار از همه گیتی
دیدار رخ یار دل افروز و دگر هیچ

(۲)

دلفریبان که بکابینهٔ جان جا دارند — مستبدانه چرا قصد دل ما دارند

دلبران خود همه هرجایی و روسی صفت اند ورنه در خانهٔ غیر از چه سبب جا دارند
گاه با لطف است و خوشی گاه عتاب است و عتاب تا چه از این همه پلتیک تقاضا دارند
خوبرویان اروپا ز چه در مردن ما حیله سازند گر اعجاز مسیحا دارند
گرچه در قاعدهٔ حسن سیاسات جمال مسلک آن است که خوبان اروپا دارند
عاشقان با سر آزادی استقلال است که ز پلتیک سر زلف تو پروا دارند
صف مژگان ترا دست سیاسی است دراز با نفوذ یکه بمعمورهٔ دلها دارند
دل مسکین من از قرض یکی بوسه گذشت با شروطی که لبان تو مهیا دارند
بحسب قانون سه ناز تو ای ترک پسر در حدود دل یاران سر یغما دارند
این چه صلحی است که در داخله کشور دل خیل قزاق اشارات تو ماوا دارند
بکمیسیون عرایض چه کنم شکوه ز تو که همه حال من بیدل شیدا دارند
ما بتوضیح دو چشمان تو قانع نشویم زانکه با خارجیان الفت و نجوا دارند
در پناه سر زلف تو بهار تنهاست که در و هیئت دل مجلس شورا دارند
حکم فرمای که در محکمهٔ حسن و جمال هرچه آن حکم تو باشد همه مجرا دارند
رازداران تو در انجمن سری دل لطفی از رهروان تو تمنا دارند
دل غارت شده در محضر عدلیهٔ عشق منتظم شد و چشمان تو حاشا دارند
سخن تازه عجب نیست ز طبع تو بهار
که همه مشرقیان منطق گویا دارند

(۳۲)

تا بکنج لبت آن خال سیه رنگ افتاد نافه را صد گره از خون بدل تنگ افتاد

آن نه خط است بر آن عارض چون نقش و نگار | زنگ محویست که در وقت از آن رنگ افتاد
سیب باغ بهشت است که بی رنگ نو شد | گشت نارنج ز غم زرد که از سنگ افتاد
در بهشت چشم من از هفته بهشتاد سرشک | در بیت کار من از آن کام به سنگ افتاد
از دل گم شده خویش فرو بستم چشم | تا مرا دامن آن گم شده در چنگ افتاد
دانم اندر دل سخت تو نه گیرد اثر | ناله من که از او خون به دل سنگ افتاد

گر چو زهره چنگ این غزل آهنگ نماید
چنگ در دل زند و با چنگ هم آهنگ افتاد

(۴)

اگر تو رخ نگشایی ستم نخواهد شد | ز حسن و خوبی تو هیچ کم نخواهد شد
تو پاک باشی و بر دل آئی بحجاب مترس | کسی به صید غزال حرم نخواهد شد
اگر بر آن سر است ماه رو که روز مرا | کنی سیاه به زلفت قسم نخواهد شد
گرم زنی چو قلم بند بند این سر من | ز بند گشت جدا یک قلم نخواهد شد

رقیب گفت بهار از تو سیر شد هیهات
بحرف سفلت کسی متهم نخواهد شد

(۵)

ای نرگست بخلق در فتنه باز کن | وی سنبل تو دست تطاول دراز کن
چشمانت را حذر بود از دیدن رقیب | با چشم مردمان ز هر آن احتراز کن
الفت چگونه دست دهد با من و شیخ | یا کار بر حقیقت و یا بر مجاز کن
با در درون میکده صهبا بجام ریز | شیخ از درون صومعه بر دل نیاز کن

با دشمنان ز ترس دم از دوستی زدیم — چون ملحدی بخاطر مردم نماز کن

کار بهار و یار بدور اوفتد که هست
دایم بهار ناز کش و یار ناز کن

آقای حبیب یغمائی

(۱)

تبه کردم جوانی تا کنم خوش زندگانی را
چه سود از زندگانی چون تبه کردم جوانی را

بود خوش بختی اندر سعی و دانش در جهان اما
در ایران پیروی باید قضای آسمانی را

بقطع رشتهٔ جان عهد بستم بارها با خود
بمن آموخت گیتی سست عهدی سخت جانی را

بجوید عمر جاویدان هر آنکه همچو من بیند
بیک ساعت فراق اندوه عمر جاودانی را

کی آگه می شود از روزگار تلخ ناکامان؟
کسی کو گسترد هر شب بساط کامرانی را

بدامان خون دل از دیده افشاندن کجا داند؟

بساغر آنکه می ریزد شراب ارغوانی را
مذاقت تلخ تر از صبر بود چون اتفاق من
تو هم ای ناصح ارسیدی آن شیرین زبانی را
وفا و مهر کی دارد حبیبا آنکه می خواند؟
باسم الهی رسم وفا و مهربانی را

(۲)

زمین پس باید که در راه عمل زد گامها
واندر آن ره کرد اندر هر قدم اقدامها

شام جمعی همچو صبح و صبح قومی همچو شام
وای گر ماند بجا این صبحها این شامها

کامرانی نیست مخصوص گروهی خودپرست
کام خود ز آنان گرفتن باید ای ناکامها

آنکه خون رنجبر را همچو می در شیشه کرد
کرد خونش را ببا ید همچو می در جامها

اختیار حبس و اعدام کسان در کف نگر
ناکسانی را که باید حبس ها اعدامها

مالک و دهقان غنی و بینوا شاه و گدا
محو باید گردد از روی زمین این نامها

یک طرف تسبیح بنگر یک طرف تحت الحنک

شیخ را باشد براست صید احمق دامها
تا بکے تقلید سبک دیگران بایست پخت
طرحے از نو همچو طرح خواجه باخیستا ها

(۳)

ز انقلابے سخت جاری سیل خون بایست کرد
دین بنائے سست بنیاد را سرنگون بایست کرد
از برائے نشر آزادی زبان باید کشاد
ارتجاعیون عالم را زبون بایست کرد
تا که در نوع بشر گردد تساوی برقرار
سعی در الغاء القاب و شئون بایست کرد
ثروت آنکس که می باشد فزون باید گرفت
وانکه کم از دیگران دارد فزون بایست کرد
منزل جمعی پریشان مسکن قومی ضعیف
قصرهاے عالی اشراف دون بایست کرد
هر که پارازیت و تنبل شود بایست کشت
آرے از تن خون فاسد را برون بایست کرد

(۴)

در تعمیر باید هر چه چون چرخ برین باشد
ور دست نداد این قدر در زیر زمین باشد

در مذهب من بدنام بهتر بود از گمنام
بهتر لیاپین از نیست شیطان لعین باشد

در شعر تنها باید چون خس تنگ بوے داشت
در فقر فقط ناچار آن درکه وزین باشد

زین زندگی یک شکل افسرده دلم ای کاش
یا بهتر ازین گردد یا بدتر ازین باشد

شاید که ضعیفان را اوضاع شود بهتر
در گیتی اگر جبری دستور لنین باشد

وضع غنی و درویش آن به که شود تبدیل
یک چند چنان می بود یک چند چنین باشد

اشعار حبیب از نیست مطلوب بود معذور
کے شعر طرب انگیز و خاطر که حزین باشد

(۵)

زیاران هر که یارش مهربان تر — ازو نبود بگیتی کامران تر
همه مه طلعتان نامهربانند — وز آنها ماه من نامهربان تر
تمام دلبران شیرین زبانند — ولے دلدار من شیرین زبان تر
بهاے بوسه دادم جان و شادم — که جان از بوسه اش نبود گران تر
گرانسانی بجز مے را نگفتند — کند مے آنچنان را آنچنان تر
جوانی خوش بود گر بگذرانی — بوصل دلبرے از خود جوان تر

اگر از کار دانی بهره بردی
بکوش از جان که گردی کاردان تر
وگر گشتی توانا تر مکن جور
مباش ایمن ز خشم ناتوان تر
باستادی عیبت می شناسند
ازین اشعار اگر گفتی روان تر

آقای ناصر الدین خان سالار شیرازی

(۱)

نرگس قبای سبز بر استاده است
در سیم گون طبق قدح زر نهاده است
افگنده سر بزیر ز شرم رخت ولی
چشمان شوق پیش و چشمت گشاده است
سنبل صفت بنفشه ز موی ز بوی تو
گشته است بیقرار و بخود تاب داده است
از ژاله پر شده است تو کاسه لاله را
یا بزم دوست آقدحی پر ز باده است
آورده بید مشک بشارت چو از بهار
بر پای بوس سبز و بپایش فتاده است
آب است یا بلور درخشان کنار رود
یا جویبار با همه پر سیم ساده است
گلبن که مادر است گل سرخ باغ را
هرگز گلی بخوبی رویت نزاده است
سالار تا که مات رخ نازنین تست
بس شهسوار شعر که پیشش پیاده است

(۲)

کله نهاد بفرق و برخ نقاب گرفت
حجاب ابر ز رخسار آفتاب گرفت

گشود چهره علی رغم مدعی از خلق
خطاگیر بر او گو رو صواب گرفت

فگند چادر ظلمت بجلوه شد طاوس
تذرو من ز بدن هیئت غراب گرفت

به پیچ گیسوی پیچون کمند را بی حیا
گلوی شیخ ریا را ز غم طناب گرفت

نکرده سرخ لب از غازه بهر آرایش
وی ز خون دل ما لب خضاب گرفت

از آن بگرد بیاراید آفتاب جمال
که چشم مردم بیننده جلوه تاب گرفت

عرق نبود که از روی پاک نمود
ز برگ نازک گل قطره گلاب گرفت

نخواست شربت شیخ ریا به مجلس وعظ
بسوی بزم شد و ساغر شراب گرفت

هر آنکه بود چو سیمرغ گوشه عزلت
چنان ربود که گنجشک را عقاب گرفت

کنون که خطه طهران از آن بود آباد
که گفت گنج روان جای در خراب گرفت

عجب مدار که همراه او رود سالار
در آن میان اسیران بانتخاب گرفت

کسی که دید غزلهای شاعر شیراز
هزار نکته باستاد فاریاب گرفت

(۳)

چو به مسجد خبری نیست کلیسا برویم
به طلبگاری آن دلبر ترسا برویم

حرف حق را هم منصور صفت باید گفت
گرچه بر دار از آن گفته چو عیسی برویم

دوستان را خبر از دشمنی و حیله چه نیست
به گز ایشان به پناه و در اعدا برویم

لن ترانی شنوم گر به تمنا صد بار
باز هم پیش ارنی گوی چو موسی برویم

زن و فرزند و اقارب نبود یار سفر
من و دل هر دو درین بادیه تنها برویم

(۴)

بی سهی قد تو ای سرو خرامان چکنم — بی مه چهر تو ای مهر درخشان چکنم
دیده گیرم که گرفتم ز تماشاگه حسن — عاقلان با دل دیوانهٔ نادان چکنم
همه آفاق در اوصاف تو حیران مانند — من تنها شده‌ام گر من حیران چکنم
قصهٔ کافر و مؤمن بنماید دوست که من — بی رخ و زلف تو با کفر و با ایمان چکنم
شعر من چون شکر و شور بسر چون فرهاد
بی تو شیرین سخن ای خسرو خوبان چکنم

(۵)

هجر آزرده مرا فکر وصالی کردم — شادمان خاطر خود را بخیالی کردم
در ره وصل تو پای طلب از سر سازم — اگر از دست فراق تو مجالی کردم
وصل تو گرچه دروغ است چو دل خوش است ز من — وعده دادم از او دفع ملالی کردم
گریه این نیست پی شستن غم دل هست — اگر از دیده روان آب زلالی کردم
حال دل را ز غم عشق تو خواهم بتو گفت — اگر از دست ستم‌های تو حالی کردم
هر کسی شیفتهٔ چیزی و من چون ساله — خویش را شیفتهٔ حسن و جمالی کردم
یک زمان بود به نخچیر شکارم همه شیر
حالی از هر نظری صید غزالی کردم

(۶)

درکیش من از ذکر صمد فکر صنم به — میخانه بآئین من از دیر و حرم به
از سنبل و از سبزه و از سوسن و سوری — ریحان خط او که بخوبی است رقم به
شادند رقیبان ز جدائی من از دوست — هر دل که ازین غصه بود شاد بغم به
هر سر که درو نالهٔ از عشق نباشد — هر یک سرے از و گر شود از تیغ قلم به
جز از لب لعلت هوس بوسه ندارم — حاجت چو بری بر در ارباب کرم به
حق نمکی با لب شیرین توام هست — خادم که شناسد نمک از جنس خدم به
بر خلق ستم هست اگر روے بپوشی — برداشتن از خلق جهان رسم ستم به
طاوسی و برتن چه کشی جلد غرابے — طاوس کند جلوه ز سر تا بقدم به
باید که ز تازی برهی آهوے شیراز — وے پارسی از شیخ عرب شوخ عجم به
دینار و درم گر بودت بذل صنم کن — وصل صنم البته ز دینار و درم به
نه تاج بجا باشد و نے تخت ز جمشید — بس جام مے پیش من از کشور جم به

از این نعمت که خدا داد بسالار ما
شد نعمت وصل تو ز انواع نعم به

(۷)

بوسهٔ زلعلم داد آن نگار روحانی — دست اهرمن افتاد خاتم سلیمانی
در شکنج گیسویش باد دل شوم از جمع — مو بمو بیان سازم شرح این پریشانی
ترک چشم خونریزش غارت دل و دین کرد — کفر زلف هندویش برده مسلمانی
دوش ذکرے از زلفش شد بحلقهٔ رندان — تا سحر نشد کوتاه آن حدیث طولانی

بے تمیزی اعیان کردہ روز ما چوں شب — ورنہ بد چو مہر روشن روزگار ایرانی
دفتر کیان بر خوان شوکت عجم میدان — رفعت مکان بنگر بر بعہد ساسانی
مصر مملکت در چاہ ہمچو ماہ کنعان است — در غمش وطن خواہان ہمچو پیر کنعانی
اتحاد با آلمان بہر ما زیان دارد — سود باشد ار گردی دوست با بریطانی
یک میر وا ز دست نہ کن سعی و جہد کن — وقت را غنیمت دان آن قدر کہ بتوانی

گفت این غزل سالار تا بوجد و شوق آید
روح حافظ و سعدی انوری و خاقانی

میر حسین خان سعادت فری

(۱)

اے کہ گفتی در جہاں ہرگز گلے بے خار نیست
ہاں گل بے خار ما را بسکہ در گلزار نیست
در غم یاران جلفا و کنار زندہ رود
روز و شب ما را بغیر گریہ دیگر کار نیست
پشت ما شد خم ز بار غصہ و اندوہ و غم
درد بسیار است لیکن جرأت اظہار نیست
با کہ گوییم داستانہائے دل پر درد خویش؟

یک وفا کیشی که باشد محرم اسرار نیست

با چنین وضع خراب دهر و بهای فلک

کو کسی کاکنون ز عمر خویشتن بیزار نیست؟

از پی نفرین اعدای ستمگار دغل

شب بغیر ما و مرغ حق کسی بیدار نیست

در حقیقت مفسدتهای کراوات و فکل

کمتر از نعلین شیخ و خرقه و دستار نیست

(۲)

دلم چون زان بت نامهربان است — که با ما دایما او سرگران است

اگرچه ساکن کرمانم اما — تمام فکر من در اصفهان است

بسان زنده رود از دوری یار — مدام اشک از دو چشم من روان است

ز بس دل تنگم آن بهتر نپرسی — که احوال خراب ما چسان است

تو گویی از ازل شد بهره ما — هر آنچه غصه و غم در جهان است

نمیدانم چه شد کاندر جوانی — بهار عمر ما همچون خزان است؟

خرابی از دل تنگم عجب نیست — که گنج غم بکنج دل نهان است

هر آن ذلت که آمد بر سر ما — بعالم جمله از دست زبان است

مدام از گردش این چرخ کجرو — مرا انگشت حیرت بر دهان است

مزن دم از وفا و از محبت

که دنیا فاقد هم این و هم آن است

(۳۲)

رفتی و در فراق تو ما را قرار نیست
ما را شبانه روز بجز گریه کار نیست

رنجم به چه نالم غم بسی ستم که جفای چرخ
بدبخت کس بسان من غمگسار نیست

شام فراق در غم هجران عارضت
گریان چو دیدگان من ابر بهار نیست

از چیست ها که بلبل بیچاره را بباغ
بهر بجز تمسخر گل طعن خار نیست

رو در چمن و سیر یاسمین نظر نما
بنگر که لاله چون دل من داغدار نیست

از دست روزگار جفا پیشه الامان
گویا علاج و چاره بجز انتحار نیست

غیر از جفا و کینه و ظلم و فساد و بغض
از مردمان دون جهان انتظار نیست

کم کن فغان و ناله سعادت ز چرخ دون
کامید مهر از فلک کج مدار نیست

(۳۳)

مطرب امشب سرخوش است و طرز دیگر میزند

نیک بخت آنکس که با محبوبه ساغر میزند

در غم آن خسرو شکر لب و شیرین دهان
هر که چون فرهاد باشد تیشه بر سر میزند

دلبرا بینم ترا هر گه به بزم دیگران
سوز غیرت بر تنم گوئی که نشتر میزند

چون دهم شرح فراقت زانکه نوک خامه ام
آتش اندر نامه و اوراق دفتر میزند

پیش وی گر دو لبان روی شیر فلک
چون بطی رعنا بهم خون کبوتر میزند

موی واعظ شد سپید از حرص و باز آن بی‌حیا
ایستاده آن در برای زر اگر میزند

داد باید سر براه آن که با دست تهی
پشت پا بر ملک دارا و سکندر میزند

شب رود در خانهٔ خمار در روز العجب
شیخ لاف مسجد و محراب و منبر میزند

آتشم بر جان فتد هر گه که بینم مدعی
بوسه بر لعل لب میگون دلبر میزند

بر فراز عارضت زلفت تو باشد فی المثل
همچنان ماری که رو بر گنج جوهر میزند

عصر کشتی البحری و طیاره و ماشین و ریل
شیخ ما من باب حنفیت دم از خر میزند

می کند جمع پریشان روز ما را هم سیاه
شانه تا بر جعد مشکین معنبر میزند

تا سعادت زد دم از شهد لب دلدار خویش
شعر وے صد طعنه بر قند مکرر میزند

(۵)

خدا را تا یکی در شهر کرمان
گرفتار غم و اندوه و حرمان؟

شود سیل سرشکم زنده رودی
کنم چون یاد یاران صفاهان!

دلم را برده بی مهری که باشد
فروغ عارضش چون ماه تابان

نگردد شام هجران در همه عمر
بدنیا روزی گرگ بیابان

بیا و طرۀ مشکین دلبر
مدام احوال ما باشد پریشان

طبیب حاذقی کو تا بجوید
بدرد عاشقان خسته درمان

ز هجر عارض گلگون دلدار
سرشکم گشته چون ابر بهاران

شعار عاشقان در دهر این است
که تا جان را کنند ایثار جانان

سحرگه در چمن این نغمه سر کرد
فراز شاخ گل مرغ خوش الحان

جلال و حشمت گیتی بقاے
نکرده نی بقیصر نی بخاقان

بزن مطرب نوایی از سر شور
باواز همایون شور بخوان

و هو زان پیشه منصور دم نمیزند

بدم روحے ز حکمت و دل و جاں

(۶)

مدام از دست آں ترک تتاری — فشانم اشک چوں ابر بہاری
نمیدانم چرا آں لعبت شوخ — بود از عاشقان خود فراری؟
بہ پیش تیر اہم رستم آسا — کند او دعوے اسفندیاری!
زند ہر دم ز نوک مژۂ خویش — بہ قلب من ہزاران زخم کاری!
ز ظلم و جور آں شوخ جفا جو — کنم تا چند و تا کے بردباری؟
چہ باید کرد کاں عیار با ما — چو دنیا می کند ناسازگاری!
نمیداند کہ در عشق و محبت — بود بار ثبات و پافشاری
بیاد آں گل سوری دما دم — بود گلگوں سرشک از دیدہ جاری
شدہ در بوستان مہر از اول — نصیب ما و لالہ داغداری!
ببزم دوستاں شرمندہ ماندم — خدا سازد سیہ روے نداری
نباید شکوہ از گردون دوں کرد — کہ گردیدہ سمر در کجمداری
صبا از ما بگو با اہل یاراں — اگر در ملک طہراں رہے آری
بیا گر دیدہ بسیارے عجائب — ز دست گلرخان لالہ زاری
سحر گہ چوں شدم از خواب بیدار — شنیدم از نسیم جویباری
بدو ابرانیا کن شکر ایزد — کہ با تو کردہ اینک بخت یاری
اگر دیروز ایماں بود ویراں — ز افشار و بلوچ و بختیاری
در انظار اجانب خلق ایراں — سراسر سر بزیر از شرمساری

بحمدالله که شد ایران منظم — زمین جد و جهد شهریاری
شهنشاه بزرگ پهلوی آنک — بر او ختم آمده ایران مداری
حقیقت وضع کشور گشته امروز
زهر سو باعث امیدواری

آقای محمد جواد شباب کرمانشاهی

(۱)

هر بنده را که داور یکتا کمال داد — فرخنده نعمتی که نه ادبار و زوال داد
مال و منال زینت دنیا بود ولیک — شاد آن کسی که زیب وجود از کمال داد
عقل و کمال زینت مردان هر که را — ایزد گرایش دو داد نکوتر خصال داد
هشدار تا جهان نه فریبد ترا بمال — گو خود فریب نوع بشر را بمال داد
دنیا و نعمتش چو ظلال آید یا خیال — عاقل چگونه دل بظلال و خیال داد
قتاله ایست دلبر دنیا که با فنون — عشاق را فریب بحسن و جمال داد
بر پشت نفس بار بلاست نمود حمل — کو دل بدین عجوزه خوش خط و خال داد
زنهار زاین عروس که هر لحظه با یکیست — نپذیر وقتی ار بتو وعده وصال داد
بی خاطر مکدر و بی رنج جان و تن — کس را نه قرص نان نه آبی زلال داد
پالیزبان دهر زجالیز خود بکس — هرگز نداد میوه اگر داد کال داد

از بن برآر ریشۂ آمال کاین درخت — دهقان خویش را ثمر آخر ملال داد
مست از مے غرور مشو زانکه زین شراب — هر کس چشید عاقبتش انفعال داد

کنج کفاف جوے و قناعت که هر که یافت
او را نتیجہ ہاے نکو بالمآل داد

(۲)

خلق اگر در عید قرباں برہ قربانی کنند
عاشقاں جاں بر رخ جاناں بآسانی کنند
در بر عشاق جاں باشد متاعے بس سبک
کافرند ار یار خواہد جاں گرانجانی کنند
دیدہ و دل ہر دو جاے تست پسند از وفا
کاین دو جا از گریہ و غم رو بویرانی کنند
بر رخ روشن پریشاں تیرہ زلفت را مکن
تا بہ پیشانی کم اظہار پریشانی کنند
گر تو لیلی وش نہ رخ برقع براندازی یقین
ہمچو مجنوں خویش را جمعے بیابانی کنند
بر سخنداناں روا باشد ملامت ہر را
بارخت تشبیہ اگر از رہے نادانی کنند
یوسف مصر جمالی در فراقت عیب نیست
عاشقاں گر گریہ ہمچو پیر کنعانی کنند

خاتمی از لب ترا باشد که بر او خسروان
دست اگر یابند دعوی سلیمانی کنند

هندوی آتش پرست خال تو چشم کافرت
ترسم آخر رخنه در دین مسلمانی کنند

با خیال چشم بادامیت مرتاضان همی
قوت خود بادام از در ترک حیوانی کنند

شکرین لعل ترا شک نیست کز بیدانشی ست
گر کسان تشبیه با یاقوت رمانی کنند

(۳۲)

چنانکه ابر و گل اندر بهار گرید و خندد
دل من و لبت ای گلعذار گرید و خندد

به بینوائی فصل خزان و شادی گل
شگفت نیست گر ابر بهار گرید و خندد

دلم البته گر از درد یار وگر با میدی
گر آن نگار شود کامگار گرید و خندد

ز هجر یار و به بدعهدی جهان پس مردن
روان پاک من اندر مزار گرید و خندد

بدار اگر بکشندم بجرم عشق حبیبم
بپایداری من پای دار گرید و خندد

کسے کہ ہمچو منش با پری بود سر الفت
یقین شناس کہ دیوانہ وار گریہ و خندد

(۴)

اے دل امشب انتظار وعدۂ دلدار دار
کم تو نیز آخر سرشک از دیدۂ خونبار بار

سینہ سینا شود بزم من آں رشک پری
برفروزد گر درو از چہرہ چوں گلنار نار

نرگس بیمار وے با مار زلفش خوش نمود
کے شنیدستی کہ گیرد الفت با بیمار مار

میزند نیشم بدل از مژہ آں غمخوار دل
وائے بر دل می‌خلد بر سینہ چوں از غنچہ خار

خلق گویندم چرا ہوش تو از سر کردہ رم
برد عشق و ہوش و دانش از من آں ہشیار یار

تارے از زلفش صبا با خود بتاتار ار برد
رو نہد از ساز چشم مردم تاتار تار

بے گل رخسار آں گلزار خوبی دائما
با فغان و نالہ ام چوں مرغ در گلزار زار

لعبتان ماہ منظر گرچہ در فرخار ہست
ہست پیش دلبر من لعبت فرخار خار

ماه من عنبر فروشان را همی ماند شباب
زانکه بر دوشش بود از زلف عنبر بار بار

(۵)

دانی اندر سر سودای تو چون شد دل من
خون شد از دست تو و ز دیده برون شد دل من
طائرے بود ز صیاد گریزان عجبم
که سرانجام گرفتار تو چون شد دل من
داد بردم همه جا هیچ کسم داد نداد
تا که در سینه ز بیداد تو خون شد دل من
من کجا بادیهٔ پرخطر عشق کجا
بچنین راه مرا راهنمون شد دل من
مهر افزاست خط سبز تو چون مهر گیاه
مهر از آتش بتو هر لحظه فزون شد دل من
خال چون نقطهٔ نون تو برخساره چو دید
سبب آن گشت که چون حلقهٔ نون شد دل من
گر شتاب از تو جدا نیست ز پی آرامش
جرم من نیست که بے صبر و سکون شد دل من

(۶)

با دیده دلم می گفت اشک از تو و آه از من

آگاهی او شرط است خواه از تو خواه از من

چاه ار همه زین سان است کو را به زنخدان است

یا یوسف مصری گو بنشست از تو و چاه از من

تن سستی و جان سختی ای آفت جان و تن

آموخته اند این دو کوه از تو و کاه از من

حربا اگر اندر عشق خورشید پرست آمد

من ماه پرستم گو مهر از تو و ماه از من

گویند ز دل راهست در دل بجهم این دل

کاندر دل سختش نیست راه از تو و آه از من

بر ملک وجود من چون بادشهی بنشین

بر دیدهٔ تو اینک پا از تو و گاه از من

در بازی عشق تو مغلوب شتاب آمد

زان روی که می باشد اسپ از تو و شاه از من

(۷)

روی نیکت را نگوییم ای پسر خورشید ماه

زانکه زد پیغاره رخسار تو بر خورشید و ماه

روشن از نور رخ تو شام تار عاشقان

حاش لله کی بود این نور در خورشید و ماه

مردگان را زنده جاوید سازد دیدنت

اے مسیحا دم ندارند این اثر خورشید و ماہ

اے سپہر حسن ہر جا پاے بگذاری بخاک،
فخر را سایند بر آن خاک سر خورشید و ماہ

بام تا شام ار برافروزی رخ رنگین ببام
روے ننمایند از مشرق دگر خورشید و ماہ

سنبل و ریحان و عبہر باشدت بر رخ کہ دید
سنبل و ریحان و عبہر ہیچ در خورشید و ماہ

لاف در میدان زند حسن تو گر بر آسمان
تیغ ابروے ترا آرد سپر خورشید و ماہ

فرق بردار از میان زلف سیہ بر رخ منہ
تا نباشد آیت شام و سحر خورشید و ماہ

تا دہند آوازۂ حسنت بگیتی انتشار
چون سفیرانند دایم در سفر خورشید و ماہ

از نظر بازان تو دیگر کسے آرد در نظر
گر بود در سلک ارباب نظر خورشید و ماہ

لایق نسبت نباشد ارچہ چشم دل ندید
تا دہد نسبت بتو چیزے مگر خورشید و ماہ

دل بمعنی داد باید نے بصورت در جہان
ہست روے نیک تو معنی صور خورشید و ماہ

منع نتوان کرد شان دیدند رخسارت اگر
چون پری دیده شدند آسیمه سر خورشید و ماه

آسمان شاید مرا خوانند تا تو با منی،
زانکه همچو آسمان دارم به بر خورشید و ماه

چون مقابل با رخت آمد شتاب از آن بود
شد ردیف چامهٔ نغزش اگر خورشید و ماه

فصیح الملک حاجی محمد تقی شوریدهٔ شیرازی

(۱)

آن پری رو از درم روزی فراز آید؟ نیاید!
من همی خواهم که عمر رفته باز آید! نیاید!

پیش از آن کایام در پیچد بهم طومار عمرم،
نامه از کوی یار دل نواز آید؟ نیاید!

بر سر من سایهٔ آن آفتاب افتد؟ نیفتد!
در کف من دامن آن سرو ناز آید؟ نیاید!

هیچ از سودای آن گیسو نیاید بوی سودی!
بوی سودی هیچ از امید دراز آید؟ نیاید!

طفل اشکم گفت بر رخ راز عشقم را بمردم
طفل هرگز در شمار اهل راز آید؟ نیاید!
تا نه بیند آه من برمن دلش سوزد؟ نسوزد!
سنگ تا آتش نه بیند در گداز آید؟ نیاید!
عقل آن نیرو ندارد کو بگرد عشق پوید،
صعوه هرگز در مصاف شاهباز آید؟ نیاید!
این همه سازم بناسازی دور چرخ آخر،
اختر ناساز من با من بساز آید؟ نیاید!
از هوائے خطهٔ لے و ز نهاد هر دم وے
بوے از شیراز علیین طراز آید؟ نیاید!
عاشق شوریده را در دل نباشد غیر جانان
در دل محمود جز یاد ایاز آید؟ نیاید!

(۲)

هرچه کنی بکن مکن ترک من اے نگار من
هرچه بری ببر مبر سنگدلی بکار من
هرچه کشی بکش مکش باده ببزم مدعی
هرچه خوری بخور مخور خون دل فگار من
هرچه دهی بده مده زلف بباد اے صنم
هرچه نهی بنه منه دام بره گذار من

هرچه بری ببر ببر رشتهٔ الفت مرا
هرچه کنی بکن بکن خانهٔ اختیار من
هرچه هلی بهل بهل پردهٔ زلف چون پری
هرچه دری بدر بدر پردهٔ اعتبار من
هرچه روی برو برو راه خلاف دوستی
هرچه زنی بزن بزن طعنه بروزگار من
هرچه کشی بکش بکش صید حرم که نیست خوش
هرچه شوی بشو بشو تشنه بخون زار من

(۳)

چون چشم او دو ترک کماندار دیدهٔ — چون زلف او دو طرهٔ طرار دیدهٔ
در چرخ هیچ دیدی ماه پرند پوش — در باغ هیچ سرو کلهدار دیدهٔ
با این بدین طراوت عارض شنیدهٔ — شوخی بدین حلاوت گفتار دیدهٔ
جز زلف او که گشته ببالاے دنگون — از شاخ سرو مشک نگونسار دیدهٔ
جز چشم او که خاطر ما را بغمزه خست — خنجر بدست مردم بیمار دیدهٔ
گوئی خط و رخش بچه ماند بدین جمال — در یک طبق بنفشه و گلنار دیدهٔ
در تار زلف اوست مقید هزار دل — در یک رسن هزار گرفتار دیدهٔ
چون این شگرف در همه گیتی شنیدهٔ — چون این بهار در همه گلزار دیدهٔ
چون این جمال در همه کشمیر بوده هیچ — چون این نگار در همه فرخار دیدهٔ
رضوان خلد کاش بدی تاش گفتمی — حورے بدین ملاحت رخسار دیدهٔ

مانند رخش بقد گل پیرہ یار را بسرو   بر سرو اے عجب گل پیرہ یار دیدہ

غافل چنیں ملامت شوریدگاں مکن

آں جلوہ ہائے روئے پری وار دیدہ

(۴)

تو مرا جاے بجاں داری و پیداست کہ داری

در دل و دیدہ مکاں داری و پیداست کہ داری

لالہ در غالیہ پوشی و پیداست کہ پوشی

ماہ بر سرو رواں داری و پیداست کہ داری

ننگری سوئے کس از نخوت ایں طرفہ کہ ہر سو

فرقۂ را نگراں داری و پیداست کہ داری

کردہ با خم ابروے قریں غمزۂ جادو

طرفہ تیرے بکماں داری و پیداست کہ داری

روئے زیبا بدو صد پردہ نہاں داری لیکن

بدو صد پردہ نہاں داری و پیداست کہ داری

دہنت ہیچ نہ پیداست ولے گاہ تبسم

عقد لولو بدہاں داری و پیداست کہ داری

از میانت اثرے نیست عیاں لیک بہر سو

ز حدیثے بمیاں داری و پیداست کہ داری

نہ کنی چشم بشوریدہ و پوشیدہ چہ گویم

چشم بر شاه جهاں داری و پیداست که داری

(٥)

روے بنمائی و دل از من شوریده ربائی
تو چه شوخی که دل از مردم بے دیده ربائی
حسن گویند که چوں دیده شود دل برباید،
تو بدیں حسن دل از دیده و نادیده ربائی
خاطر خلق بدیں روے پری دارستانی
طاقت جمع بدیں موے پریشیده ربائی
آنکه اورا نتواں دل بدو صد شیوه ربودن
تو بدیں روے خوش و خوے پسندیده ربائی
همچنیں لعل لباں پیش درخت گل سوری
گر بخندی تو دل از غنچه خندیده ربائی
دگر از چهرهٔ تابان تو در دست دل من،
نیست باقی که بداں گیسوے تابیده ربائی
تو که خود فاش توانی دل یک شهر ربودن
دل شوریده روا نیست که دزدیده ربائی

میرزا ابوالقاسم عارف قزوینی

(۱)

لباس مرگ بر اندام عالمی زیباست
چه شد که کوته و زشت این قبا بقامت ماست

بیار باده که تا راه نیستی گیرم
من آزموده ام آخر بقای من فناست

گهی ز دیدهٔ ساقی خراب و گه از می
خرابی از پی هم در پی خرابی ماست

ز حد گذشت تعدی کسی نمی پرسد
عدو و خانهٔ بی خانمان ما ز کجاست

برای ریختن خون فاسد این خلق
خبر دهید که چنگیز پی خجسته کجاست

بگو به هیئت کابینهٔ سر نفس
که روزگار پریشان ما ز دست شماست

چه شد که مجلس شوری نمی کند معلوم
که خانه خانهٔ غیر است یا که خانهٔ ماست

اگر بحالت عهد عتیق پی برد شیطان

کسے بدل نقش بند آدم و حواست
ببین بجاے محبت چه محکم است شکست
بطاق کسری خورده است و جاے ستون کجاست
اگر که پرده بیفتد ز کار هستی
بچشم عارف و عامی درین میان سواست

(۲)

ز خواب غفلت هر آن دیده که بیدار است
بدین گناه اگر کور شد سزاوار است
زده است یکسره خود را براه بی‌حسی
نه بچشم تو ماست خصم هشیار است
بلیس بخفی ذناب و محتسب بیمار
بخواب شحنه عسس مست و دزد در کار است
ترا از آن چه ابا از کدام در ره قسیم
هر آنچه کار که سر زنگشت کیست در کار است
ز صحبت گل اندوز و راهزن مطلب
از آنکه که هلاکت مروفه و نه بازار است
گرفت وجه و با راه بیع قطع فروخت
ببین که درهم جا صرفه با خریدار است
بگو بعقل منه پا در آستانه عشق
که عشق وصف پروانگان بپهلودار است
هر آن سرے که ندارد سر و طلخ ای
الهی آنکه شود سرنگون که سر بپاے است
تو با بیداری بین عارف اگر بیدار بود
گمان مدار که از حرف مست بردار است

(۳)

سپاه عشق که ملک چه ویران کرد
بنای هستی عمرم بجان کچپان کرد
چگونه گفت که چه کرده است خواهی ار دانی
بدان که آنچه که تا بد بگفتگو آن کرد

چه کرد عشق تو با جز گفتنم آن کرد | بمن که دوره شوم تجبر با ایران کرد
خدا چو چاره زلفت کند پریشانش | کسیکه مملکت و ملتی پریشان کرد
الهی آنکه به ننگ ابد دچار شود | هر آن کسی که خیانت بملک ساسان کرد
بار دشمن غیور دراز دست بگو | که خصم ملک ترا جزو انگلستان کرد
خرابی آنچه بدل کرد والی حسنش | باصفهان نتوان گفت ظل سلطان کرد

چو جغد بر سر ویرانه های شاه عباس
نشست عارف و لعنت بروح خاقان کرد

(۴)

از کفم ربا ست شاهد مهار دل | نیست دست من اختیار دل
بشکست تیر از دل جگر که نیست | غیر ننگ و عار کار و بار دل
تحفه کم کن پیش چشم از آنک | پر ز گوهر من درفشان بر دل
بسکه سر کجا رفت در جنگ | دیده شد سفید ز انتظار دل
عمر شد تمام با خسته تمام | آبرو و نام در قمار دل
بیا از بی قمر ابر نگر | خم کشیم کمر زیر بار دل
چو نزد با کسی کرد و گر کسم | دل بکار من من بکار دل
افتخار مردم در درستی است | وز شکستگی است افتخار دل
عارف این قدر لاف تا یکی | شیر عاجز است از شکار دل

منعقد در بی خسروان شاه نامه
هر دو بر کف افتد ار دل

(۵)

هر وقت ز آشیانهٔ خود یاد می کنم — نفرین بچنگ زادهٔ صیاد میکنم
یا در غم اسارت جان میدهم بباد — یا جان خویش از قفس آزاد میکنم
شاد از فغان من دل صیاد و من بدیر — دل خوش که یک دلی بجهان شاد میکنم
جان میکنم چو کوهکن از تیشهٔ خیال — بدبختی از برای خود ایجاد میکنم
من بی خبر ز خانهٔ خود چون شپره‌ای — بهر درے که مملکت آباد میکنم

شاید رسد بگوش معارف صدای من
زان است عارف این همه فریاد میکنم

(۶)

محیط گریه و اندوه و غصه و محنم — کسی که یک نفس آسودگی ندید منم
منم که در وطن خویشتن غریبم و زین — غریب‌تر که هم از من غریب‌تر وطنم
بهر کجا که قدم می نهم بکشور خویش — دچار دزد اداری اسیر راهزنم
طبیعت از پی آزار من کمر بسته — کنم چه چاره چو دشمن طبیعت است هم بتنم
نهال عمر مرا میوه غیر تلخی نیست — بجان آن سرم که من این بیخ را ز بن بکنم
چو شمع آب شدم بسکه سوختم فریاد — که دیگران نشناسند پای سوختنم
چو گشت محرم بیگانه خانه در گور — کفن بیار که نامحرم است پیرهنم

بگو بعارف اندر پی هلاکت من
دگر مکوش که خود در هلاک خویشتنم

(۷)

خم در خم طرهٔ طرار یار یکدله بین — بپای دل ز خمش صد هزار سلسله بین

از آن کمند خم اندر خمش نخواهد رست
دلم ز بیدلی این صبر و تاب و حوصله بین

نگر قیامت از سرو قد و قامت او
دو صد قیامت و آشوب و فتنه و ولوله بین

مکان خالی بدنبال چشم و ابروی یار
مکین چو نقطهٔ بای بکد بسمله بین

بغمزه چشمش زد و راه دل سپر و بزلف
شریک دزد و نظر کن رفیق قافله بین

اگر اثر نکند آه دل مپرس چرا
میان آه و اثر صد هزار فاصله بین

لب و دهان ترا نسبتی بهیچ زدند
شکر شکن ز سخن مشکلی مسئله بین

اگر فروخته‌ام دین و دل بغمزهٔ یار
هزار سود ز سودای این معامله بین

براه بادیهٔ عشق آی و عارف را
ضعیف و خسته و رنجور و پا پر آبله بین

آقای محمد یوسف زاده خمام همدانی

(۱)

بیافرید خداوند لم یزل ما را
که لایزال اطاعت کنیم دانا را

مباش در پی کشف رموز دانا یار
که هیچ حل نتوان کردن این معما را

ز فهم گفته همچون خودی شوی عاجز
چگونه فهم کنی گفته‌های دانا را

تو آن نه که شناسی فضیلت انسان
کسی چگونه تواند شناخت عنقا را

بکار اهل نظر کار خود قیاس مکن
که فرق هاست بهم مرده و مسیحا را

چسان ز ستر نهان آگهند بندهٔ الله — که خوب و بد نشناسند کار پیدا را
اگرچه باد درخت کهن کَند از بیخ — ز جای خود نکند کوه پای برجا را
کسی که زد بپری را ندیده کی داند — که حال چیست دل دردمند شیدا را
ز غصه شکری خورده و ز حسرت قند — چه غم ز حال مگس طوطی شکرخا را
غریق بحر بلا را چه سود خواهد بود — از این که دُرّ و گهر هست قعر دریا را

تمام عیب فراوان خود نمی بینی
مگر بدیده کشی خاک پای بینا را

(۲)

برکن ز سینه ریشهٔ فکر تباه را — با دست خود ز پای بکش خار راه را
با مردم بزرگ مزن لاف همسری — با کوه همسری نرسد برگ کاه را
شرط است علم و عزم و عمل وانگهی ثبات — تا کج کنی بتارک مردی کلاه را
خود را بزرگ دیدی و پامال غم شدی — بگشای چشم و رفع کن این اشتباه را
تقصیر خود ببین چو فتادی که در جهان — پروا کسی ندارد سر بی گناه را
تا پیشوائی آتش دل را خموش کن — بگذار بر فلک برود دود آه را
پیوسته خیرخواه غنی و فقیر باش — سیراب کن چو آب درخت و گیاه را
بالت فزون و جاه فزون تر شود اگر — صرف شکستگان بکنی مال و جاه را
این جاه و سروری و ثنا آیت خداست — داده است تا پناه شوی بی پناه را
دیری نمی کشد که گدا سر کند بشهر — گر غصهٔ گدا نبود پادشاه را
بهر چراغ کلبهٔ درویش پف زدست — دست قضا بطاق فلک جرم ماه را

جز خست و غذا به نه بینی بعمر خویش
گر نشنوی بجان سخن خیر خواه را

واندر تمام محنت عالم که در جهان
دیده است تیره بختی در روز سیاه را

(۳)

امروز درین خاک غم انگیز کسی نیست
کز خوی بدش در دل ما غصه بسی نیست

بر بیهده گلها همه از شدت افغان
در واکه درین مرحله فریاد رسی نیست

گر قافله را سر رفتن از این جا بچه علت
در ره اثر پای و بانگ جرسی نیست

تا صبح که دو صد حرف زند از پی پندم
یکبار نه بیند که درین خانه کسی نیست

[illegible] زنند اهل طمع لاف تا قلبی را
کو زند گر وادی امن و قبسی نیست

بگشود دلت تا بجنون از دم واعظ
دیدی که درین طایفه صاحب نفسی نیست

والی سخن عشق چرا در تو نگیرد
زیرا که ترا غیر هوا ملتمسی نیست

گر کو نباشی ز تکبر چه علت
در چشم تو سیمرغ بقدر مگسی نیست

دستی که ترا دیده گشاید به بینی
غیر از تو درین گلشن بی خار و خسی نیست

باشند غنیمت نظری نیست دگر نه
از پیش تو تا گلشن مقصود بسی نیست

(۴)

در بیابان طلب پا [illegible] سنگی نیست
که بر آن سنگ ز خون دل من رنگی نیست

[illegible] ز عشق شکستن دارد
حیف کاندر خور این کار رگ سنگی نیست

گر گشاد است جهان در نظر خلق چه سود
زین فراخی که ز تنجش دل تنگی نیست

نیکنامان همگی بستهٔ ناموس هنوز
می ندانند که آزاد شدن ننگی نیست

راه عشاق زن ای مطرب از آن سان که زدی
کز نوای تو دگر خوب‌تر آهنگی نیست

از چه رخسارهٔ جانان نتوانی دیدن
گر بر آئینهٔ جان از غم دل زنگی نیست

نتوان گفت که چند از ره او طی کردم
زانکه در راه طلب میل و فرسنگی نیست

گر گدای تو شدم شاه جهانم ورنه
در دل من هوس تاج و اورنگی نیست

خشم او بشنو و خیل رضا بود غمام
زان که شیرین نشود صلحی اگر جنگی نیست

(۵)

بیا که روی زمین جای زندگانی نیست
برآ بعالم علوی که پست و فانی نیست

بزیر چرخ مجو کام دل بنادانی
که روی خاک سیه جای کامرانی نیست

سفید گردد و زرد و سیاه آخر کار
همیشه روی تو گلگونهٔ ارغوانی نیست

بهرزه صرف مکن نقد عمر خود زنهار
بصرفه خرج کن این نقد را که ثانی نیست

بعیش بیهده ضائع مکن جوانی را
که عیش بیهده هرگز به از جوانی نیست

شناسی که بعیب خود افکنی نظری
وگرنه زشتی خوی بدان نهانی نیست

ز علم و جهل بود خوی نیک و بد هشدار
که فهم این سخن از کارهای آنی نیست

بعلم زندهٔ جاوید می توانی شد
بدان که هیچ به از عیش جاودانی نیست

مراد ز آب بقا فیض صحبت داناست
وگرنه در ظلمات آب زندگانی نیست

بکوش تا بدیار معانیت کشند
وگرنه لذتی از صورت معانی نیست

مباش بی‌خبر و نکته سنج هیچ غمام

که در مقام نظر جای نکته دانی نیست

(۶)

ساقی بیار باده که بوی خوش بهشت / می آیدم ز سایهٔ بید و کنار کشت
از سرو و گل بگوی که دهقان روزگار / دلکش تر از نهال قدت در جهان نکشت
شاید اگر فرشتهٔ رحمت ستایدت / کز پرتو جمال تو دوزخ شود بهشت
از دیگران گسسته شده تا در الفتم / تا روزگار رشتهٔ پیوند دوست رشت
روی نکو چو خوی نکو داشت دل برد / بی حاصل است صورت زیبا و خوی زشت
دریاب دل مقام گزین شو که هیچ نیست / جاوید خانه کز گل می کنند و خشت
بس کارهای نیک کن که نیکی بهای سرا / اکنون که اطلاع نداری ز سرنوشت
دلبستن جهان به بجز غم و بیچارگی نبود / خرم کسی که پای درین خاکدان نهشت
رو پیش بوسه تنبام و دل غافل از خدا / زنهار ازین نماز که مسجد کند کنشت
از مهی صلاح توقع مکن غلام / خوبی چگونه سر زند از طبع بد سرشت

(۷)

دلم را برده شوخ دلربایی / پری رخساره ای بالا بلایی
جفایش از وفای دیگران به / جفاکاری به از هر با وفایی
فلک را نیست جز دوریش جایی / سرم را نیست جز وصلش هوایی
گر او باشد طبیب دردمندان / نخواهد هیچ بیماری شفایی
شود چشم جهان روشن گر آرد / صبا از رهگذارش خاک پایی

بجز در چین زلف آن دلارام — دلم را نیست ماوای و جای
درین دریای بی پایان نباشد — بجز او کشتیم را ناخدای
زر خالص شود قلب جهانی — گر از وصلش بیابد کیمیای
نیابی جز هوایش دستگیری — نه بینی جز جمالش رهنمای
ببینش با من آنکس که گفتی — نگردد پادشه یار گدای

کسی نشناسدش جز من بعالم
نباشد جز غمش آشنای

میرزا سید محمود جوهری فرخ خراسانی

(۱)

هر که از زنجیر زلف دلبری دیوانه نیست — در بر ما سلسله بالله که او فرزانه نیست
خانه خود در خور سکنای جز دلدار نیست — نیز بی دلدار را درخورتر از دل خانه نیست
جز بدلهای خراب ما مجو دلدار ما — زانکه گنج شایگان را جای جز ویرانه نیست
عاشقی آشفته چون من در همه میخانه نی — شاهدی گل چهره چون او در همه فرخانه نیست
کار ما در گیتی ار افسانه شد نبود شگفت — کار عشق است این و کار عاشقی افسانه نیست

بس شنیدستی سخن در وصف باغ و بوستان
بشنو از فرخ که جای خوشتر از میخانه نیست

(٢)

چه بهاری است که یک لاله‌ی گلزار نیست | خرم از سبزه‌ی نوخواسته کهسار نیست

آهو و کبک خرامنده به دشتی نبود | بلبل و قمری خواننده به گلزار نیست

نشنوی نغمه‌ای از نغمه‌سرایان چمن | بانگی ار هست جز از مرغ گرفتار نیست

عاشقی بیدل و آشفته نه بینی در شهر | در خور عشق چو نیکونگری یار نیست

عاشق ار هست بجز رند نظرباز نیست | دلبر ار هست بجز ترک ستمگار نیست

داد جان فرخ و نادش طبیبی بر سر
خوشدل از غم دل غم‌دیده و غمخوار نیست

(٣)

کار بزرگ و رتبه‌ی عالی گرت هواست | با فکر پست و همت دون این هوا خطاست

فکر بزرگ و همت عالی ببایدش | آن کو در آرزوی بزرگی و اعتلاست

بسیار دیده‌ایم و شنیده که تا کسی | بربود رتبه‌ای که نه آن رتبه را سزاست

پستی گرفت رتبه‌ی عالی از او ولیک | نفزود رتبه هیچ بر او بلکه نیز کاست

از خطه پست کند عامل خسیسه | وآن کار پربها شود ار مرد رادهاست

در هر زمانه مسند ایران شهنشهی است | این پستی و بلندی او وارش از چه خاست

چون مرد پست یافت بر این پایگاه دست | هم شد مقام پست و هم او کان مقام خواست

وین دستگه بزرگ و اعلا نهاد پای | چون این مقام گشت بمرد بزرگ راست

هست این مقال روشن و خواهی اگر گواه | سلطان حسین نادر روشن‌ترین گواست

باش آنچنان که جای برادرنگ اگر کنی | گوید جهان بجای تو کاین جا ترا سزاست

نه آنچنانکه گر گذری شوی کسان گویند ناکس است نه این پایه اش رواست
بسیار بوده اند شهان گدای طبع درویش نیز هست که بالطبع پادشاست
کار بزرگ هیچ بزرگی نه بخشدت
خود را بزرگ کن چو بزرگیت مدعاست

(۴)

زاهدان خواهند اسیر دام تزویرم کنند من نه آن صیدم که با این دام نخچیرم کنند
روح من باغی است با این بی حقیقت زاهدی از حقیقت قوه باید که تدبیرم کنند
حرف منفی پیش من جز حرف منفی بیش نیست فاش گویم هر چه میخواهند تکفیرم کنند
با فقیهان دارم آهنگ جدل تیم از آنک چون که در منطق فرو مانند تحقیرم کنند
هیچ ننهم گوش هرگز بر فسون واعظان چون نهم احمق که تا این قوم تسخیرم کنند
ناصحان غیر مشفق زان کنندم سوی شیخ تا بدین تقریب دور از حضرت پیرم کنند
آیتی از عشقم و فارغ ز کفر و دین ولی کافر و مسلم بمیل خویش تفسیرم کنند
در بهای ساغری بخشم متاع کفر و دین گرچه یاران منع زین اسراف و تبذیرم کنند
شورها دارم بسر فرخ که گر عنوان کنم
ابلهان دیوانه ام خوانند و زنجیرم کنند

(۵)

با روی تو با لاله حمرا چه کند دل بی روی تو گلزار ارم را چه کند دل
مقصود دل از هستی ما هستی تو ورنه بی تو همه نعمت دنیا چه کند دل
گیرم که بسوزد رهد این دل غم ایام با این غم جان سوز تو جانا چه کند دل

بستند بهجرت دل و جان عهد صبوری — جان صبر نیارست کند تا چکند دل
وآنکه دهی پند بصبر و بمدارا — زین بیش دگر صبر و مدارا چکند دل
دل سخت فرو مانده بکار غم دلدار
آخر تو بگو فرخ شیدا چکند دل

(۶)

همه شب ز روی حسرت بر خستن و دریدن — نبود به رنج کمتر ز مفارقت کشیدن
نشدن بسوی بستان ندیدن رخ گل — به از آنکه رفتی اما گل آرزو نچیدن
چه ملاطفت و دلربائی چه تبختر و بد ادائی — سخنیست آرزویم ز دهان تو شنیدن
تو که ذوق بنده داری نشناسی و نداری — ز چه این گران بها بنده بهایت خریدن
بادب خمش نشستن بودت بنده دائم — چکنم که در حضورت نتوانم آرمیدن
بودم گمان که داری نظرے نہان سوئے من — که ترا ز جمع بر من دگر است طرز دیدن
بود آن که با تو فرخ بمراد دل نشیند،
نه که با کجا و امید بآرزو رسیدن

(۷)

اے زلف او که بوئے چون نافه ختنی — گوئیه چو شام وصال تیره چو روز منی
اے چشم دلبر من وئے فتنه ساز زمن — تو نرگس چمنی یا آهوے ختنی؟
اے ترک من نکنی ترک وفائے عهد — گر زانکه قتل مرا با خویش عهد کنی
لیکن اگر دهی پیمان وصل بمن — صد بار چون دل من در صبر و هش شکنی
فرسوده جسم مرا هجر رخ تو چنانک — لولا مخاطبتی ایاک لم ترنی

در دلربائی و حسن معروف و منتجبی — در بیوفائی و جور مشهور و منتهی
تو چون گلی و تو را من مرغ نغمه سرا — آری گلی چو تو را بلبل سزد چو منی
دیوانگان غمش گر انجمنی کنند
هان فرخا بنشین تو سر انجمنی

میرزا محمد فرخی یزدی

(۱)

در چمن تا قد سرو تو برافراخته است — روز و شب نوحه گری کار من و فاخته است
برو با کهنه حریفی است که در بازی عشق — هرچه را داشته چون من همه را باخته است
بگمان غلط آن ترک کمانکش چون تیر — روزگاری است مرا از نظر انداخته است
جان من زاه دل سوخته پرهیز نمای — که بدین سوختگی کار مرا ساخته است
راستی چشم تو با ابروی کج عربده داشت؟ — تا پی کشتن من تیغ ستم آخته است
چنگ بر طرهٔ پرچین تو زد آنکه چو باد — تاختن از پی این مشک ختا تاخته است
فرخی دل خوش از آن است که این مردم را
یک بیک دیده و سنجیده و بشناخته است

(۲)

گرچه مجنونم و صحرای جنون جای من است

لیک دیوانه تر از من دل شیداے من است

آخر از راه دل و دیده سر آرد بیرون دل
نیش آن خار که از دست تو در پاے من است

رخت بربست ز دل شادی و هنگام وداع
با غمت گفت که یا جاے تو یا جاے من است

جامه را که بخون رنگ نمودم امروز
بر جبین کاری تو شاهد فرداے من است

چیزهاے که نهانیست به بیند بس دید
بخند اقبال من دیده بیناے من است

سر تسلیم بچرخ آنکه نیاورد فرود
با همه جور و ستم همت والاے من است

دل تماشائی تو دیده تماشائی دل
من بفکر دل و دل خفته به تماشاے من است

آنکه در راه طلب خسته نگردد هرگز
پاے پر آبله بادیه پیماے من است

(۴۲)

هرگز دلم براے کم و بیش غم نداشت
آرے خراشت قلم که غم بیش و کم نداشت
در دفتر زمانه فتاده نامش از قلم
هر ملتے که مردم صاحب قلم نداشت
در پیشگاه اهل خرد نیست محترم
هر کس که فکر جامعه را محترم نداشت

با آنکه جیب و جام من از مال و می تهی است / ما را فراغتی است که جمشید جم نداشت

انصاف و عدل داشت موافق بسی ولی

چون فرخی موافق ثابت قدم نداشت

(۴)

چمن از لاله چو بنهاد بسر افسر سرخ / پای گل زن ز کف سبز خطان ساغر سرخ

اشکها چون سیم سپیدم شد از آن خون که ز غم / زر دو روئی کشد آن کس که ندارد زر سرخ

گر چه من قاتل دل را نشناسم اما / دیده ام در کف آن چشم سیه خنجر سرخ

کی به بام تو پری باز کند بال و پری / هر کبوتر که ز سنگ تو ندارد پر سرخ

پرسش خانه ما را مکن از کس که ز اشک / خانه ماست همان خانه که دارد در سرخ

خون دل خورده ام از دست لبش از پی مرگ / سر زند سبزه سر از تربت من با سر سرخ

شب ما روز نگردد ز سیه باختری / تا چو خورشید نخواهد زند هم اختر سرخ

تا خست مژگان تو بیمار دل از چشم سیاه / چون سپه شرق بفرمان قضا لشکر سرخ

فرخی روی سفید آن که بر چرخ کبود

با رخ زرد ز سیلی بودش زیور سرخ

(۵)

شب چو در بستم و مست از می نابش کردم / ماه اگر حلقه بدر کوفت جوابش کردم

دیدی آن ترک ختا دشمن جان بود مرا / گر چه عمری به خطا دوست خطابش کردم

منزل مردم بیگانه چو شد خانه چشم / آن قدر گریه نمودم که خرابش کردم

غرق خون بود و نمی مرد ز حسرت فرهاد / خواندم افسانه شیرین و بخوابش کردم

شرح حال دل پروانه چو گفتم با شمع آتشی در دلش افکنده و آبش کردم
دل که خونابهٔ غم بود و جگرگوشهٔ درد بر سر آتش جور تو کبابش کردم
زندگی کردن من مردن تدریجی بود
آنچه جان کند تنم عمر حسابش کردم

(۶)

گر خدا خواهد بجوشد بحر بی پایان خون میشوند این ناخدایان غرق در طوفان خون
با سرافرازی نهم پا در طریق انقلاب انقلابی چون شوم دستم بود دامان خون
خیل دیوان را بدین افسانه دعوت میکنم میگذارم نام دیوان را ز نو دیوان خون
کارگر را بهر دفع کارفرمایان چه عیب با سر شمشیر خونین می دهم فرمان خون
کلبهٔ بی سقف دهقان را اگر آرم به نظر کاخهای سر بگردون را کنم ایوان خون
فرخی را اشتهار انقلابی خوانده اند
زانکه خورد از شیرخوارگی شیر از پستان خون